رابندر ناتھ ٹیگور کا مشہور مجموعہ نظم

# گیتان جلی

کا اُردو (منثور نغمہ)

ایک بسیط مقدمہ و تبصرہ

از

مولانا ابوالمعانی نیاز فتحپوری

حسب فرمائش آغا محمد طاہر نبیرہ آزاد - مالک آزاد بک ڈپو - دہلی

# فہرست

۳۲ موعودہ مقام ملاقات پر آنے کے لیے تمام راستہ میں نے تو تنہا
ہی طے کیا۔

۳۳ اے قیدی مجھے بتا وہ کون تھا جس نے تجھے پابند کر دیا۔

۳۴ وہ لوگ جو اس دنیا میں مجھ سے محبت کرتے ہیں۔

۳۵ دن تھا جب وہ (کچھ لوگ) میرے گھر آئے۔ اور کہا

۳۶ صرف اس کا مختصر حصہ مجھ میں باقی رہنے دے۔

۳۷ جہاں قلب بے خوف ہے۔

۳۸ اے میرے مالک تجھ سے میری دعا یہ ہے۔

۳۹ میں خیال کرتا تھا کہ میرا سفر قوت کی حدِ آخر پر ختم ہو چکا ہے۔

۴۰ یہ کہ میں تجھے چاہتا ہوں۔

۴۱ جب میرا قلب سخت و خشک ہو جائے۔

۴۲ اے میرے خدا۔ مدتیں گذریں کہ میرا دل تشنہ م۔

۴۳ اپنے کو سائے میں چھپائے ہوئے۔

۴۴ بہت تڑکے یہ سُن گُن لگی تھی کہ ہم کشتی میں سوار ہو کر جائیں گے

۴۵ وہ بھی ایک دن تھا جب میں تیرے لئے اپنے تئیں تیار نہ رکھ سکی۔

۴۶ میری مسرت اسی میں ہے کہ یونہی تیرا انتظار کیا کروں۔

۴۷ کیا تم نے اُس کی خاموش آوازِ قدم نہیں سُنی۔

۴۸ نہیں معلوم کتنی مدت سے تو ہمیشہ مجھے ملنے کے لئے قریب
بڑھتا چلا آتا ہے۔

۴۹ رات قریب قریب اُس کے انتظار میں بیکار صرف ہوگئی۔
۵۰ صبح کا بحر خموشی طیور کی ننھی ننھی مواج نغمہ میں تبدیل ہوگیا۔
۵۱ تو اپنے تخت سے اُترا اور میرے جھونپڑے کے دروازے پرآکر کھڑا ہوگیا۔
۵۲ میں دروازے، دروازے بھیک مانگنے گانوں کے راستے میں جارہی تھی
۵۳ رات تاریک ہوگئی تھی
۵۴ میرا خیال تھا کہ میں تجھ سے وہ گلاب کا ہار مانگوں گی۔
۵۵ خوبصورت ہے ستاروں سے آراستہ۔
۵۶ میں نے تجھ سے کچھ نہیں مانگا۔
۵۷ تیرے قلب پر افسردگی طاری ہے۔
۵۸ کچھ ایسا ہی ہے کہ تیری مسرت مجھ میں اس قدر بھری پڑی ہے۔
۵۹ روشنی، میری روشنی
۶۰ تمام فشار ہائے مسرت کو میرے نغمۂ آخر میں مل جانے دے۔
۶۱ ہاں میں جانتا ہوں یہ کچھ نہیں ہے۔
۶۲ بیشمار اقطاع عالم کے ساحلِ بحر پر لڑکے جمع ہوتے ہیں۔
۶۳ نیند جو بچّے کی آنکھوں میں آتی ہے۔
۶۴ اے میرے بچے جب میں تیرے پاس رنگین کھلونے لاتی ہوں
۶۵ تو نے مجھے ان دوستوں سے شناسا کردیا۔

۸۵ اے ماں (یعنی وطن) میں تیری گردن کے لئے اپنے اشکِ غم سے موتیوں کی مالا تیار کرونگا۔

۸۶ یہ دردِ فراق ہی ہے جو تمام عالم میں بسیط ہے۔

۸۷ جب محاربینِ (حیات)، اوّل اوّل اپنے آقا کے مکان سے آسے

۸۸ موت تیری کنیز میرے دروازے پر ہے۔

۸۹ ایک مایوس آرزو لئے ہوئے جاتا ہوں۔

۹۰ اے تباہ شدہ معبد کی دیوی۔

۹۱ اب میرے الفاظ میں وہ شور و ہنگامہ کہاں۔

۹۲ اُس دن جب موت تیرا دروازہ کھٹکھٹائے گی

۹۳ موت اے زندگی کی وفائے آخریں آ اور مجھ سے سرگوشی کر۔

۹۴ میں جانتا ہوں وہ دن آئیگا جب اِس دنیا کا نظارہ میرے لئے ختم ہو جائے گا۔

۹۵ مجھے رخصت مل گئی ہے، اے بھائیو مجھے خیرباد کہو۔

۹۶ اے میرے دوستو! اب جُدائی کے وقت میرے شادکام ہونیکی دعا کرو۔

۹۷ میں اس لمحہ سے آگاہ نہ تھا۔

۹۸ جب میں یہاں سے جانے لگوں۔

۹۹ جب میں تیرے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔

۱۰۰ میں تجھے اپنے اُن ہاروں اور نشاناتِ فتح سے آراستہ کروں گا۔

۱۰۱ جب میں پتوار (ہاتھ سے) چھوڑتا ہوں۔

۱۰۲ میں نمود صور کے عمیق بحر میں اس اُمید پر غوطہ زن ہوتا ہوں۔

۱۰۳ میں نے زندگی بھر تیرے پالینے کی کوشش اپنے نغموں ہی سے کی

۱۰۴ میں لوگوں میں فخر کیا کرتا تھا کہ میں نے تجھے جان لیا ہے۔

۱۰۵ اے خدا (تجھ سے یہی دعا ہے) کہ میرے تمام حواس صرف ادائے عجز کے ساتھ تیرے حضور میں وسیع ہو کر رہ جائیں۔

# تہدیہ

میں اگر عمومیت نہ ہوتی، تو میں بلا پس و پیش، بصد ناز و افتخار ان اوراق کو

## حضرت اکبرؔ الٰہ آبادی

کے نام منسوب کر دیتا، جن کے پاکیزہ مذاقِ ادب اور خلوص و صداقت نے میرے دلِ زار کو خراب و مبتلا کر رکھا ہے اور جن کی حقیقت شناس نگاہ نے اس مجموعہ کو بہت پسند فرمایا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ میں "عدم تہدیہ" کو بھی ان سے متعلق نہ کر دوں جو میری تنہا "مسرت تہدیہ" ہے۔

نیاز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مقدمہ

جس طرح اس سے زیادہ بدقسمت تغافل ایک کاشتکار کے لئے اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ اُسے خود نہ معلوم ہو کہ اس کی پیداوار کیا ہے اور معلوم بھی ہو تو ایک اجنبی کی زبانی، اسی طرح اس سے زیادہ شرم ناک بدمذاقی ایک ملک کی اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے ہاں کی جوہر قابل سے بے خبر ہو، اور آگاہ ہو بھی تو ایک غیر ملک کے کہنے سے جس کو صورتاً و سیرتاً اس سے ایک تعلق بعید ہو۔

سچ ہے کہ خدا جب اپنی کسی قوت کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو وہ ایک بیدار دماغ۔ ایک ہوشمند طبیعت کو منتخب کر کے اُسے مظہر فیضان قرار دیتا ہے، وہ قوت جو رنگ و صورت کے امتیاز سے بے نیاز مذہب و ملت کی تفریق سے بے پرواہ ہے، ہمیشہ اُن قواریں برکت و راحت کا نشیمن بناتی ہے، جن میں شوق عمل باقی ہے اور ہمیشہ ان سینوں کی

متلاشی رہتی ہے جو حوصلوں سے معمور اور ولولوں سے لبریز ہوتے ہیں۔ بس حیف ہے اُس قوم پر جس میں قوتِ عمل مفقود ہے۔ اور جس کے افراد حوصلہ مند سینوں اور ولولہ خیز دلوں سے محروم ہیں۔

واقعات کی قوت استدلال غیر فانی۔ مشاہدات کے براہین قاطع اور تجربات کے دلائل غیر متزلزل ہیں، نہ میرے لکھنے کی ضرورت اور نہ کسی وعظ و پند کی۔ اگر "رابندر ناتھ ٹیگور" اپنے زورِ فکر و قلم سے "یورپ" کو مبہوت و متحیر بنا سکتا تھا تو کیا یہ ہماری عبرتناک غفلت نہیں کہ ہم اپنے ملک کے ایک فرزند کی وقعت کرنے میں اس خبر کے منتظر تھے جو غیروں کی زبان سے نکل کر ہم تک پہونچے۔

ہر چند ٹیگور بنگال میں بہت زمانے سے مقبول ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ خود بنگال کو اُس کی حقیقی عزت و وقعت کا پتہ اُس وقت چلا جب "یورپ" نے "نوبل پرائز" دے کر ہم کو حیرت میں ڈال دیا کہ دنیا میں ایک شاعر بھی اس تعزز کا مستحق ہو سکتا ہے، تمام اخبارات و رسائل اس کی تصویر شائع کریں اور اس کی شاعری کی قیمت ایک لاکھ سے زیادہ قرار دی جائے۔

اس میں کلام نہیں کہ مادیات کے اس دورِ ارتقا میں یہ طرزِ عمل علی الخصوص یورپ کی طرف سے جو مادیت کا پرستارِ خصوصی ہے اور پھر ٹیگور کی شاعری سے متاثر ہو کر جو جذبات روحانی کے سوا اور کچھ نہیں رکھتی۔ ایک ایسا حیرت انگیز تماشہ ہے جسے دیکھ کر تحسین کرنیکو

جی نہیں چاہتا، لیکن جب یقین کر لیا جاتا ہے تو ٹیگور سے زیادہ یورپ کی ادا شناسی کی تعریف کرنی پڑتی ہے اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ اگر یورپ دن بھر مادیت کی پرستش کرتا ہے تو وہ شام کے سکون رات کی خلوت میں مناظر فطرت کے بیان سے متاثر ہو کر روحانیت کے سامنے بھی اپنا سر جھکا سکتا ہے۔

جس وقت اوّل اوّل مجھے اس حقیقت شناسی کا حال معلوم ہوا تو میں متحیر رہ گیا کہ خدایا ٹیگور نے کس مشین کی زبان میں شاعری کی ہے جو یورپ یوں بے اختیار ہو گیا اور مجھے جستجو ہوئی کہ کوئی نظم ملے تو دیکھوں لیکن افسوس ہے کہ میں ایک عرصہ تک اس آرزو میں تڑپتا رہا اور آخر جب اُس کے مجموعۂ نظم "گیتانجلی" کا انگریزی ایڈیشن شایع ہو کر مجھ تک پہنچا اور میں نے اپنے بیتاب ہاتھوں سے اُسے کھول کر ان پہلے جملوں کا مطالعہ کیا کہ :۔

"اے خدا، تو نے مجھے غیر متناہی بنا دیا۔ تیری مرضی ایسی ہی ہے اس کمزور ظرف (ہستی) کو تو بار بار خالی کرتا ہے اور پھر ہمیشہ ایک تازہ زندگی سے (اُسے) معمور کر دیتا ہے۔"

تو کتاب میرے ہاتھ سے چھوٹ پڑی اور دل دُکھ کر رہ گیا کہ یورپ نے کیوں اس کی عزت کر کے ہماری بہ تنہا مسرتِ یقین چھین لی کہ اگر یورپ "مادیت" کا شیدا ہے تو ہم روحانیت پر فدا ہیں اور اس طرح اُس سے کسی طرح کم نہیں۔

کاش ایک ہفتہ، میں نے اِس کتاب کا مطالعہ کیا اور نہیں کہہ سکتا کہ کس قدر لطف میں نے اٹھایا اور کیسا اندوہ و عبرت بنی نوع انسان کی سُبک سری کے لئے میں نے یورپ کی قدر افزائی کے اندر پنہاں پایا۔

اس سے قبل میرا خیال تھا کہ مغربی تعلیم صرف تکمیل مادیت کیلئے ہے اور روحانیت کو اس سے کبھی سروکار نہیں ہو سکتا اور یہ خیال میرا ذاتی تجربہ کی بنا پر تھا۔ کیونکہ جب کبھی میں کسی تعلیم یافتہ نوجوان سے ملا اس کو شعائرِ روحانی سے اس قدر اجنبی پایا کہ کبھی یہ خیال بھی ذہن میں نہ گذرا کہ روحانیت کسی زمانہ میں، اس کی زندگی کا کسی طرح جزو بن بھی سکتی ہے یا نہیں؟ مذہب سے تغافل، مذاقِ صحیح سے گریز، انبساطِ حقیقی سے مغائرت کلّی! میں خاموش ہو جاتا تھا کہ شاید مغربی تعلیم کا اقتضا یہی ہو گا اور یہ غریب جس کو پاکیزہ صحبتیں نصیب نہیں ہوئیں، جس نے مذہب کی تعلیم نہیں پائی، جس کے دماغ کی تربیت ہی اس وضع پر نہیں ہوئی کہ وہ کیف و گداز کا مفہوم جان سکے، جس کو ضرورتِ دنیا نے زندگی کی سطح بیرونی کے مطالعہ پر مجبور کر دیا ہے قابلِ معافی ہے لیکن یورپ نے ٹیگور کی شاعری کی عزت کر کے وہ پردہ میری نگاہوں کے سامنے سے اُٹھا دیا اور اِک سخت درد انگیز منظر سے دوچار کر دیا۔

میں یہ دیکھ سکتا ہوں کہ ایک شخص محبوس ہو کر اپنے وطن کی یاد اپنے دل سے بھلا دے، لیکن میں اس منظر کی برداشت نہیں کر سکتا کہ آزادی کی حالت میں ترکِ اُلفت کے بہانے تلاش کئے جائیں۔ میں

اس بات کو سُن سکتا ہوں کہ ایک شخص عالمِ اضطرار و اضطراب میں ممنوعات اپنے اوپر جائز کر لے، لیکن اس کے سُننے کی تاب مجھ میں نہیں کہ صرف ہوا و ہوس کی مجبوری سے کسی تاویل کو درست سمجھ لے۔ میں ایک ظالم اور سخت گیر قوت کے سامنے سر جُھکا دینے والوں پر ملامت نہیں کرتا خواہ وہ قوت کتنی ہی عدوئے دیں کیوں نہ ہو لیکن میرے غصّہ کی کوئی انتہا نہیں رہتی، جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ وہ قوت سر جُھکا دینے پر کسی کو مجبور نہیں کرتی اور یہ عجز و ناراستِ اخلاق کا نتیجہ ہے۔

میں کسی جدید تعلیمیافتہ کو مذاقِ سلیم سے معرّا دیکھ کر اس خیال سے خاموش رہ سکتا تھا کہ یہ اُس کے لیئے ناگزیر ہے لیکن اظہارِ نفرت و ملامت اس وقت میرے اختیار سے باہر ہے۔ جب میں یہ جان لوں کہ تعلیمِ جدید سلبِ وجدان نہیں کرتی، میں کسی مجنونِ فیشن و ملبوس دیکھ کر اس یقین کی بنا پر دم بخود رہ سکتا تھا کہ شاید فنونِ یورپ یہی سکھاتے ہوں گے، لیکن اب میری چیخ میرے قابو سے باہر ہے کیونکہ یورپ اگر ایک طرف مادیت کے فتح کرنے میں مصروف ہے تو دوسری طرف وہ اُن جذبات کی بھی قدر کرتا ہے جن کی طرف توجہ کرنا اُس کے مقلدین اپنی ذلت سمجھتے ہیں۔

گیتان جلی میرے سامنے ہے اور ایک مہذب نوجوان کی تصویر پیشِ نظر کہ اگر اُس کو علم نہ ہو کہ گیتان جلی کی قدر یورپ کر چکا ہے اور میں اس کتاب کے تخیلات اُس کے سامنے پیش کردوں تو وہ ایک اندازِ

حقارت کے ساتھ مُنہ پھیرلے کہ میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ میں اِن مزخرافات پر توجہ کروں، لیکن تماشہ تو یہ ہے کہ اب بھی باوصف اس علم ویقین کے وہ ہرگز اس کو روا نہ رکھے گا کہ خود اپنی مادری زبان کا بھی کبھی غور سے مطالعہ کرے جس میں اس سے قبل خدا جانے کتنی ایسی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔

پھر جب ارتقارِ انسانیت کی یہ حالت ہے اور کارگاہِ قابلیت کا یہ عالم۔ تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ لوگ جو ادبی روحانیت در روحانی ادب سے اظہارِ نفرت وحقارت کو معیارِ قابلیت قرار دے چکے ہیں، وہ لوگ جو ذوقِ شعری سے صرف اس لیئے متنفر ہیں کہ یورپ اُن کا مرشدِ مقدس اس طرف متوجہ نہیں، وہ لوگ جو پاکیزہ ترین ادبی مذاق کو بھلا بیٹھے، اس بنا پر کہ اُن کے پیرِ مغاں کا وہ مسلک نہیں ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے محاسنِ قومی وخصوصیات مذہبی سے یکسر روگردانی اختیار کرلی۔ اس خیال سے کہ وہ ایک مدعیِ تہذیب قوم کے نزدیک افسانہائے پارینہ ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے ترکِ انسانیت کا درس معاشرت یورپ کے بہیمانہ پہلو کو دیکھ کر حاصل کیا وہ لوگ جنھوں نے افرنجیت کی جانب ایک انجذاب گدایانہ اپنے اندر پیدا کیا وہ لوگ جنھوں نے اپنے اجزاءِ ہستی کو یوروپیت میں تحلیل کرنے کے لیئے ملعون ترین وسائل کے سامنے بھی اپنا سرِ عجز جھکا دینے میں ایک لمحہ کے لیئے دریغ نہ کیا۔ میں کہتا ہوں کہ ایسے نفوس کی دیوانگی وجنون کی کیا حالت ہوگی؟ جب وہ دیکھینگے

کہ وہ مرشدِ مقدس۔ وہی پیرِ مغاں، وہی افرنجیت و یوروپیت جس کی شیفتگی میں اُنھوں نے اپنا جامۂ انسانیت تار تار کرکے رکھدیا تھا جس کی تقلید کے سودا میں انھوں نے اپنی روحانیت کو پاش پاش کرڈالا تھا۔ خود روحانیت و انسانیت کی طرف مائل ہے!!

ہر گلے میں قمیص ہے اور اس میں گریبان۔ ہر شخص کے رہنے کا ایک مکان ہے اور اُس میں دیواریں، ہاتھوں کی جنبش اگر سلب نہیں ہوئی۔ سروں میں حرکت اگر باقی ہے تو گریبان کو پُرزے پُرزے اور سر کو دیواروں کے سامنے لہولہان، ہم بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔

یہ امر یقینی ہے کہ میری اس تحریر سے پبلک کا ایک حصہ بہت برہم ہوگا۔ لیکن وہ باور کرے کہ اگر میں اپنے ہجوم جذبات کی ذرا بھی رعایت مدِ نظر رکھتا تو دفتر کے دفتر تیار ہو جاتے، لیکن میں نے اپنی طبیعت پر سخت جبر کیا اور سوائے چند ناقابل ضبط تاثرات کے کہ اُن پر مجھے قابو نہ تھا اپنے تجربات کا تذکرہ نہیں کیا، ورنہ اُن کی تلخی اور زیادہ ناگوار ہوتی۔ خیر! یہ بیان تو اس صدمہ کی بنا پر تھا جو پبلک کی بدمذاقی سے مجھے پہنچا ہے اور جسے اس کتاب کے مطالعہ نے اور شدید کر دیا ہے اب میں شوکتؔ کی شاعری پر ایک نظر ڈالتا ہوں جو اصل مدعا میرا ہے۔

(۲)

دو چیزیں شاعری کی جان ہیں، تخیل کی رنگینی مگر عمق کے ساتھ زبان کا ترنم مگر سادگی لئے ہوئے، اور جس شخص میں یہ دونوں باتیں توازن

کے ساتھ پائی جاتی ہیں، اُس کو ہم مکمل شاعر کہتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تخیل میں جدت و رنگینی ہوتی ہے لیکن غلو نہیں ہوتا۔ غلو ہوتا ہے مگر رنگینی نہیں پائی جاتی۔ زبان میں ترنم ہوتا ہے، مگر سادگی نہیں۔ سادگی ہوتی ہے تو ترنم نہیں، لیکن ایسے لوگ جن کی شاعری ان سب صفات کی جامع ہو بہت کم ہوتے ہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ جب شاعری کے انبار ارتقار میں روحانیت و تصوف کے سوا اور کچھ نہیں رہ جاتا تو جذبات عالیہ پیدا ہونے لگتے ہیں، لیکن زبان کی حلاوت۔ الفاظ کی شیرینی اور پھر انداز بیان کی خصوصیات یہ وہ باتیں ہیں جو تکمیل شاعری کے لئے تصوف سے کسی طرح کم نہیں، اور جن میں کسب کو بالکل دخل نہیں ہے اب اس معیار سے اگر ٹگور کی شاعری کو دیکھیے گا تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ بنگالی شاعران دونوں باتوں سے محروم نہیں۔ اگرچہ اصل زبان (بنگالی) جاننے والے اس کا بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن جہاں تک ترجمہ اس میں مدد دے سکتا ہے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس طرح ٹگور جذباتِ عالیہ سے بحث کرتا ہے اسی طرح اس نے زبان بھی مترنم پائی ہے، جس میں جدتِ تشبیہات نے ایک خاص لطف پیدا کر دیا ہے۔

سب سے پہلا تاثر جو اُس کی نظموں کو دیکھ کر ہوتا ہے وہ تاثر موسیقیت ہے، یعنی وہ فطری موسیقی جو نہ صرف انسان بلکہ ہر ذی روح مخلوق کا خمیر اولین ہے، لرزش میں آجاتی ہے اور سننے والا والا ایسا محسوس کرنے

لگتا ہے گویا وہ اس عالم میں ہی نہیں، اور اس کی وجہ سوائے اس کے
کچھ نہیں کہ ٹیگور نے خود بہترینِ اشاراتِ غنا سے کام لیا ہے اور کوئی نظم
ایسی نہیں جس میں نغمہ و سرود۔ بربط و نے سے ادائے مطلب بین استعارۃً
نہ کیا گیا ہو۔ یہاں تک کہ وہ کہیں خدا کو بھی آشنا یا نا آشنا معنی سے تعبیر
کرتا ہے۔

ہندوؤں میں ایک خاص طبقہ متصوفین ایسا ہے جو وجود باری
کو صرف صوت و صدا کا مفہوم معنوی سمجھتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے آواز
کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک وہ جو بلا واسطہ موجودات ممکنہ پائی جائے جس
کو اپنی اصطلاح میں اَناهَد کہتے ہیں یعنی وہ صوت سرمدی جو
ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اور دوسری وہ جو دو چیزوں کے
تصادم و تضارب سے پیدا ہو جس کو اھد کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں
بھی اناھد کا مفہوم یہی ہے۔ اور سلطان الاذکار سے مراد یہی
صوت سرمدی ہے، چنانچہ سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الٰہیؒ
نے فرمایا ہے کہ "مارا در روز میثاق ندائے اَلَستُ بِرَبِّکُمْ در آہنگ
پوربی بگوشش رسیدہ بود"

ہندوؤں کے ہاں موسیقی سے اس قدر عبادت کا کام لیا گیا ہے کہ
سر راگ کی ایک جدا دیوی مانی گئی.... اور اس کی ایک صورت فرض
کی گئی تاکہ تصور و مراقبہ میں اس کی مدد سے ایک انتہائی استغراق
کی کیفیت پیدا ہو، چنانچہ ایک دن میں گیتان جلی کے انگریزی اڈیشن

کو حضرت اکبر الہ آبادی کے پاس لئے بیٹھا تھا۔ انھوں نے ٹیگور کی تصویر کو دیکھ کر فرمایا کہ "کھماج راگنی" کی تصویر بالکل اسی طرح بنائی جاتی ہے۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ اگر موسیقی کوئی زبان اختیار کرسکتی ہے اور وہ ذریعہ اظہارِ جذبات کا ہوسکتی ہے تو ٹیگور کی یہ تصنیف اسی ذیل میں شمار کی جائے گی' جیسا کہ اُس نے خود گیتان جلی کو "Song offering" یعنی "عرض نغمہ" ظاہر کیا ہے۔ اندازِ بیان کا عجز' لہجہ کی فتادگی۔ الفاظ میں ایک خاص مسکنت یہ سب مل کے کچھ ایسی رقت پیدا کر دیتے ہیں کہ بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں اور کچھ ایسا سماں آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے' جیسے کوئی فقیر لذتِ موسیقی سے سرشار کوئی چیز تنہا جنگل میں بیٹھا ہوا گا رہا ہو اور کبھی خود ہی رو بھی پڑتا ہو۔

مسٹر ییٹس اس کتاب کے دیباچہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "یہ نظمیں نہ تو خوشنما جلد میں خاتونوں کے میز کی رونق ہوسکتی ہیں' ایسی خاتونیں جن کو سوائے اس کے اور کچھ نہیں معلوم کہ مضمحل ہاتھوں سے ورق گردانی کیا کرنا اور اپنی زندگی پر ٹھنڈی سانسیں بھرنا ہی مآلِ زندگی ہے۔ اور نہ متعلمین یونیورسٹی ان کو اپنے ساتھ رکھیں گے۔ کیونکہ جب عملی زندگی (مادیت) پر انھیں درس دیا جائے گا تو وہ سوائے اس کے کہ اسے اٹھا کر طاق پر رکھ دیں' اور کیا کر سکتے ہیں' لیکن ایک زمانہ وہ آئے گا جب راستہ چلنے والے انھیں راہ میں گنگنایا کریں گے اور کشتیوں کے اوپر ملاح انہیں الایا کریں گے۔ ایک عاشق اپنی معشوقہ کے انتظار میں ایک محبوبہ اپنے محبت

کرنے والے کی یاد میں انھیں گائے گی اور محبت حقیقی کے اس طلسمی سرچشمہ میں جوان کے اندر پنہاں ہے۔ ان کے جذبات ڈوب ڈوب کر تجدید شباب کا لطف اٹھایا کریں گے ۔

جس طرح ٹیگور نے ہر جگہ موسیقی کی زبان میں اظہار جذبات کیا ہے اسی طرح اس نے رنگ و نغمہ سے بھی اپنی دل بستگی کا ثبوت دیا ہے کنول کے پھول کا بار بار ذکر، اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اسے ہند کی پرانی شاعری کے ساتھ جس کا عنصر کنول اور کنول کی باتیں ہیں۔ ایک خاص لگاؤ ہے اور صبح و شام کی شفقی دیا سمینی مناظر کا مختلف صورتوں میں بیان۔ اس امر کا ثبوت ہے کہ ٹیگور فطرتاً مناظر قدرت میں جذب ہو جانے والی نگاہ اور انکی رنگینیوں میں ڈوب جانے والا دل لیکر آیا ہے۔

وہ طوفانی راتوں کا تذکرہ کرتا ہے اور دو لفظوں میں ایسی تصویر کھینچ کر رکھ دیتا ہے کہ ساری ہیبتیں، ساری مایوسیاں۔ تمام اضطراب و وحشت کی صورتیں جن سے ایک انسان ایسی حالت میں متاثر ہو سکتا ہے پیش نظر ہو جاتی ہیں، وہ بہار کا سماں دکھلاتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ساری شگفتگی و نکہت۔ رنگینی و موسیقیت دل کے اندر سما ئی جاتی ہے۔ ایک جگہ وہ گرمی کا حال بیان کرتا ہے۔ بے اختیار پانی کی خواہش محسوس ہونے لگتی ہے۔ غرضکہ وہ جب کسی منظر کی تصویر کھینچتا ہے تو تلاش کر کے ایسے الفاظ لاتا ہے جو فوراً ذہن سامع کو مسحور کر لیتے ہیں مگر اسی کے ساتھ یہ بات عجیب ہے کہ... کسی وقت و موسم کسی زمانہ و

حالت کا ذکر ہو لیکن اصل رنگ نہیں چھوٹنے پاتا۔ بارش کا حال بیان کرے گا تو یہ معلوم ہوگا کہ واقعی مینہ برس رہا ہے لیکن یہ بیان کوئی مستقل بیان نہ ہوگا۔ بلکہ انہیں جذبات حقیقی کے ساتھ ضمناً اس کا بھی ذکر ہوگا گویا کسی نقاش کا ایک تیز و سُبک رفتار قلم ہے جس کو دکھانا تو مقصود ہے صرف کسی واقعہ کا لیکن وہ اسی تصویر کے ساتھ اِدھر اُدھر کاغذ پر کہیں کہیں ایسے نشانات لمس بھی چھوڑ جاتا ہے جس سے اُس موقع کی فضا بھی اُسی طرح متاثر معلوم ہوتی ہے۔

ہر چند ہماری زبان میں اس خصوصیت کی کمی نہیں اور بعض بعض حضرات نے جن میں میر انیس لکھنوی کا رتبہ بہت زیادہ بلند ہے مناظرِ قدرت کی مصوری میں تکمیل کے لئے ایک نقطہ کی جگہ بھی نہیں چھوڑی۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں کہ ٹگور کی شاعری اُن کے سامنے پس پشت ڈال دی جائے جو ہر قابل کہیں ہو اور کسی حالت میں ہو، عزت کا مستحق ہے۔ سمندر سے کتنے موتی نکلتے ہیں لیکن ہر موتی اپنی وقعت جُدا چاہتا ہے۔

اس کتاب میں جتنی نظمیں ہیں، قریب قریب سب میں مختلف کیفیات قلب کے ساتھ نوع انسان اور ذات باری کے باہمی تعلقات کا اظہار ہے اور بعض بعض جگہ ایسے لطیف استعارات و بلیغ کنایات سے کام لیا گیا ہے کہ بے اختیار داد دینی پڑتی ہے۔

ایک جگہ اپنے کو مغنی فرض کر کے خدا سے خطاب کرتا ہے اور اُس

کے انعامات سے متاثر ہو کر اس دل آویز انداز میں اظہارِ تشکر کرتا ہے۔

"جب تو مجھے گانے کا حکم دیتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا قلب فخر و غرور سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ میں تیری صورت دیکھتا ہوں اور میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں"

لیکن اس سے زیادہ پُر رمز کیف پرور الفاظ یہ ہیں کہ:۔

"میں مسرت و سرور سے سرشار ہو کر اپنے تئیں بھول جاتا ہوں اور تجھے اپنا دوست کہتا ہوں حالانکہ تو میرا مالک و آقا ہے"

محبوب کے لطف و پرستش سے متاثر ہو کر اور اُس کے الطاف و نوازش سے سمائی اپنے قلب میں نہ پا کر یہ کہنا کہ میرا قلب فخر و غرور سے ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے اور پھر فرطِ تاثر میں صورت دیکھنا اور رو پڑنا۔ یہ وہ حقیقی جذبات ہیں جو غیر فانی لذات سے معمور ہیں جن سے اثر پذیر ہو کر شاعر خود کہہ اٹھا کہ:۔

"میں مسرت و سرور سے سرشار ہو کر اپنے تئیں بھول جاتا ہوں"

ایک جگہ خدا کو مغنی مان کر، اور مغنی کیا بلکہ خود یعنی انا ھو سمجھ کر پہلے اظہارِ عجب کے ساتھ یوں خطاب کرتا ہے:۔

"اے میرے آقا! مجھے نہیں معلوم، تو کس طرح گاتا ہے! میں ہمیشہ اک خاموش حالتِ تحیّر میں سُنا کرتا ہوں"

اور پھر آگے آپ ہی اس انا ھو مسلسل اس غناء غیر منقطع

اس صوت سرمدی کی کارفرمائیوں اور جلوہ پاشیوں کا بیان ان الفاظ میں کرتا ہے :۔

"تیری موسیقی کی روشنی عالم کو منور کر رہی ہے۔ تیری موسیقی کا نفسِ حیات ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک دوڑا پھرتا ہے۔"

اسی سلسلۂ سخن میں وہ پھر اپنی تمنائے ناکام کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ :۔

"میرا قلب آرزومند ہے کہ تیرے نغموں کا ہمنوا ہو جائے لیکن ایک آواز کے لئے بیکار تڑپ رہا ہے۔ میں بولتا ہوں لیکن بول نغمہ نہیں بنتے۔ لاچار عاجز ہو کر چیخ اُٹھتا ہوں۔"

یہ فقرہ کہ "ایک آواز کے لئے بیکار تڑپ رہا ہے" کیسی پُرلطف معنی خیز اور پاکیزہ مثال حُسن بیان کی ہے اور پھر یہ دیکھ کر کہ "بول نغمہ نہیں بنتے" عاجز ہو کر چیخ اُٹھنا" خدا جانے کس قدر تاثرات اپنے اندر پنہاں رکھتا ہے۔ انداز بیان ہی تو ہے، لاکھ الفاظ اظہارِ ناکامی کے لئے لائیے لیکن جو وسعت اس "عاجز ہو کر چیخ اُٹھنے" میں ہے کسی طرح اُس کا اندازہ ہو ہی نہیں سکتا۔

شعرائے فارسی نے ان جذبات کو بڑے پاکیزہ اور لطیف انداز میں ظاہر کیا ہے علی الخصوص بیدل نے جو تخیل کی رنگینی و عمق میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اب ذکر آ گیا ہے تو جی نہیں چاہتا کہ بغیر

دو چار شعر لکھ کے آگے بڑھ جاؤں۔ ایک جگہ لکھتا ہے:۔

لبے کز گفتگو خوں شد نوائے ساز من دارد

بہر جا خامشی بینی زبانِ از من دارد

شکستِ رنگ حیرت میکشاید بال اظہارم

تپید نہائے بسمل شوخیٔ آواز من دارد

کنہ حقیقت سمجھنے اور بیان کرنے کی ناکامیوں کا اظہار اس طرح کر رہا ہے کہ وہ لب جو مجروح گفتگو نے باوصف اس کے کہ وہ ختم نہیں ہوئی اُسے زخمی کر دیا ہے۔ حقیقتاً میرے نوائے ساز کا حامل ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ:۔

جس نغمہ کا ساز ایک خون شدہ لب عاجز ہوگا، وہ نغمہ کیا ہوگا اور جہاں تحیر و خاموشی دیکھو، یہ سمجھ لو کہ میری زبان راز یہی ہے۔ پھر وہ حال جو زبان خاموشی سے بیان کیا جائے کیا کچھ سامانِ حیرت اپنے اندر رکھتا ہوگا۔ بیدل کہتا ہے کہ اظہار حقیقت کے اپنے اوپر دبال کھولنا عین رنگِ حیرت کی شکست ہے اور عالم کی ایک تپیدگی میری شوخی آواز ہے یعنی میرا ہمت ہار دینا ہی اظہار حقیقت کر رہا ہے اور دنیا کی یہ بیقراری و بے چینی جس سے ہر ہر ذرہ آشنا ہے میری آواز ہے جس سے ذات باری کے جمال جہاں آرا کے اثرات کا پتہ چل سکتا ہے کہ باوصف اس تراکم جلوہ کے بھی اس کا ادراک محال ہے۔ ایک جگہ اور اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے۔

بیدل آں گوہرِ نایاب سُراغ — محیطے است کہ پرسیدن نیست
عکس افتادہ در آئینۂ ہوش — گُل تواں گفت و لے چیدن نیست
نسخہا در بغل و فہم محال — جلوہ ہا در نظر و دیدن نیست

آئینہ میں پھول کا عکس پڑیگا تو اُسے پھول ہم کہیں گے، لیکن توڑ نہیں سکتے، یہی حال ذاتِ باری کے پرتوِ جمال کا ہے کہ ہر قلب میں ہے لیکن سنتے آئے کہ بس یہ جان لیں کہ وہ ہر قلب کے اندر ہر ہستی میں جلوہ فگن ہے حقیقتِ جلوہ سے آگاہ نہیں ہو سکتے جس کو وہ یوں ظاہر کرتا ہے کہ "جلوہ ہا در نظر و دیدن نیست" نگاہوں میں اُس کے جلوے بسے ہوئے ہیں، لیکن آنکھیں دیکھے کون ؟

زدلِ فسردہ بنالہ نہ رسید تابِ تپِ نفس
ببُرید ناخنِ مطرب از گرہ بریشمِ چنگِ ما

سازِ دل کی خموشی و افسردگی کا حال بیان کرتا ہے کہ ناخنِ مطرب اُس گرد ریشم سے زخمی ہو گیا لیکن شیونِ نغمہ۔ نالۂ لحن کا کہیں کوسوں پتہ نہ تھا جنبشِ مضراب سے تاروں میں لرزش آواز کا پیدا ہونا ضروری ہے، لیکن اس افسردگی کا کچھ ٹھکانا ہے کہ باوصف سعی کے کہ مطرب کی انگلیاں بجاتے بجاتے زخمی ہو گئیں مگر لرزشِ تار کہ نغمہ نہ ہونا تھا نہ ہوئی۔

ایک اسی مضمون کو بیدل نے اس قدر تنوع کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ اگر کوئی یکجا کرنیکی کوشش کرے تو کئی گیتان جلی تیار ہو جائیں لیکن محنت

کون کرے اور کس کے لئے ؟

اس میں شک نہیں کہ کوئی ایسی بات کہنا جو کسی کو نہ سوجھی ہو مشکل ہے لیکن اس سے زیادہ مشکل ان مضامین کا ادا کرنا ہے جن سے ایک حساس طبیعت ہر وقت متاثر ہوتی رہتی ہے اور جن کا قیدِ الفاظ میں لانا ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ ٹیگور نے بعض جگہ ان تاثرات کو ایسے سادہ الفاظ میں بیان کیا ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ لکھتا ہے کہ :۔

"میں تو صرف اتنی عنایت چاہتا ہوں کہ ایک لمحہ کے لئے
تیرے پاس بیٹھ جاؤں اور کام جو میرے پاس ہیں انھیں
تو میں پھر بھی ختم کر لوں گا"

بقول مصحفی

تیرے ہوتے جو مجھے یاد بھی آیا کوئی کام میں نے موقوف اُسی وقت پر اُس کو رکھا

صرف ایک لمحہ کے حضوری کے لئے تمام کاموں کو ملتوی کر دینا اور اس کا اظہار ان الفاظ میں۔ اس لب و لہجہ میں۔ خدا جانے کیا عالم تاثرات اپنے اندر پنہاں رکھتا ہے۔

ایک جگہ بیانِ حسرت و آرزو اس طرح کرتا ہے کہ :۔

"میں اُس مل رہنے کی امید پر جی رہا ہوں۔ لیکن وہ ملنا
اب تک نہیں ہوا"

التجائے شوق کے ساتھ عالمِ یاس و نامرادی اور حالت انتظار میں جو جی پر گذر جائے یا گذرنے والا ہو، اُسے یوں ظاہر کرتا ہے کہ :۔

"اگر تو مجھے اپنی صورت نہ دکھائے گا۔ اگر تو مجھے بالکل تنہا چھوڑ دیگا تو میں نہیں جانتا کہ یہ برسات کے طویل گھنٹے کیونکر کٹیں گے۔"

"اگر تو مجھ سے بات نہیں کرے گا تو میں اپنے قلب کو تیری خاموشی سے بھر لوں گا اور برداشت کرونگا۔"

"میری مسرت اسی میں ہے کہ یونہی تیرا انتظار کیا کروں اور یونہی تیری راہ تکتی رہوں۔"

"آسمان بادلوں سے بھرا ہوا ہے۔ بارش بند نہیں ہوتی مجھے نہیں معلوم وہ کیا ہے جو میرے اندر بیتاب ہے۔"

"میں ایک بھکاری لڑکی کی طرح منہ پر آنچل ڈالے بیٹھی ہوں اور جب لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں تو میں اپنی آنکھیں جھکا کر رہ جاتی ہوں اور انہیں کوئی جواب نہیں دیتی اور آہ حقیقتاً میں اُن سے کہہ بھی کیسے سکتی ہوں کہ مجھے تیرا انتظار ہے، تو نے آنے کا وعدہ کیا ہے۔"

اِن سے زیادہ پُر اثر و سادہ طریقۂ اظہارِ جذبات کا اور کیا ہو سکتا ہے اب میں چند مثالیں ایسی پیش کروں گا جن سے ٹگور کی معنیٰ آفرینی اور وسعتِ خیال پر کافی روشنی پڑیگی۔

"اس زندگی میں تجھ سے ملنا میرا حصہ نہیں تو کم از کم یہ تو ہمیشہ مجھے محسوس ہی کرنے دے کہ میں تیرے نظارہ کو کھو

بیٹھا ہوں"

کسی کے نہ ملنے سے یہ تخیل پیدا ہونا اور ایسا محسوس کرنا کہ میں ہی اس کے نظارہ کو کھو بیٹھا ہوں، ایسا جذبۂ عالیہ ہے جس سے ایک خاص قسم کی متصوفانہ خوئے تسلیم کا اظہار ہوتا ہے۔

ایک جگہ فلسفۂ حیات کو ایک صوفی کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ:-

"وہ یہی زندگی ہے جسے فنا و بقا کے بحری گہوارہ مد و جزر میں لوریاں دی جاتی ہیں، میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے اعضاء اس دنیائے حیات کے مس سے شاندار بن گئے ہیں اور میرا غرور میرے خون میں رقص کر رہا ہے"۔

ایک جگہ قوتِ عمل میں تحریک پیدا کرتا ہے اور کام کرنے پر ان الفاظ میں آمادہ کرتا ہے کہ:-

"کیا تیرے عمق دل میں کوئی مسرت نہیں ہے کیا تیرے ہر ہر قدم پہ ساز جادۂ درد کے نغمۂ شیریں میں تبدیل نہ ہو جائے گا؟"

ایک جگہ خالق و مخلوق۔ صانع و مصنوعات کے اتصال کو کس رازدارانہ عمق کے ساتھ بیان کرتا ہے:-

"میری نگاہیں دور و نزدیک بھٹک چکی تھیں۔ قبل اس کے کہ میں نے آنکھوں کو بند کر لیا اور کہا کہ "تو یہاں ہے"۔ یہ سوال و آوازہ کہ "آہ، کہاں" چشموں کے آنسوؤں میں تحلیل کر دی جاتی

ہے اور " میں ہوں " کا سیلِ ایقان عالم میں طوفان برپا کر دیتا ہے"۔

الطافِ خداوندی کا شمار کرتے ہوئے اپنی بہت سی خواہشات پوری نہ ہونے پر کیسی تسلی بخش تاویل کرتا ہے کہ :۔

" تیری خواہشیں بہت ہیں، اور میری صدا قابلِ رحم۔ مگر تو نے اپنے شدید انکارات کی وجہ سے مجھے ہمیشہ محفوظ رکھا اور یہ قوی رحم اندر ہی اندر ہمیشہ کام کرتا رہا۔ روز بروز تو مجھے اِن عطایائے سادہ وعظیم کا اہل بنا رہا ہے، جنھیں بلا طلب ہجومِ خواہشات سے بچا کر تو مجھے عنایت کرتا ہے (اور وہ عطایا کیا ہیں ؟) یہ آسمان و زمین ۔ یہ جسم، یہ حیات و نفس!"

قلبِ انسانی کو جمالِ خداوندی کا جلوہ گاہ ظاہر کرتا ہے :۔

" اُس دن جب کنول کھِلا۔ افسوس میرا قلب بھٹکتا پھر رہا تھا اور میں اُس سے بے خبر تھا...... ایک غم میرے اوپر طاری ہوا۔ میں اپنے خواب سے چونک پڑا اور بادِ جنوب میں ایک عجیب وغریب نکہت کا شیریں سُراغ میں نے پالیا اُس آوازہ شیریں نے میرے قلب میں آرزو سے ایک درد پیدا کر دیا۔ مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ موسم بہار کا پُر آرزو نفس اپنی تکمیل کا متجسس ہے مجھے اُس وقت یہ نہ معلوم تھا کہ وہ اسقدر عزیب ہے کہ گو میری اپنی ہی ہے اور یہ مکمل شیرینی

میرے ہی عمق قلب میں شگفتہ ہو رہی ہے۔"

کسی چیز کا اس قدر قریب ہونا کہ شدتِ قرب سے یہ خیال پیدا ہو کہ گویا اپنی ہی ہے۔ کچھ عجیب تخیل ہے جس سے شاعر کے حس کی انتہائے پاکیزگی وحدت ظاہر ہوتی ہے۔

سعی و عمل کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتا ہے اور یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ "مجھے اپنی کشتی ڈال دینی چاہیئے، بیکار گھنٹے ساحل پر گذر جاتے ہیں" کیسی دلکش ترغیب دیتا ہے کہ :-

"تم کیا حیرت سے تک رہے ہو؟ کیا تم اک لرزش اس نغمۂ بعید سے ملی ہوئی ہوا کے درمیان گذرتی ہوئی محسوس نہیں کرتے کہ :-

وقت کے ضائع کرنے پر تاسف کرتا ہے کہ :-

"وہ آیا اور میرے پہلو میں بیٹھ گیا۔ لیکن میں نہ جاگا!! ہائے وہ نیند کیسی کمبخت نیند تھی، ذلت ہو میرے لئے وہ آیا! جب رات خاموش تھی، اس کے ہاتھ میں اس کا بربط تھا اور اس کے نغموں سے میری نیندیں معمور تھیں۔ افسوس میری راتیں اسی طرح ضائع ہوتی جاتی ہیں۔ آہ! میں کیوں ہمیشہ اس کا دیدار چوک جاتا ہوں، جس کی سانس میری نیند کو چھو چھو جاتی ہے۔"

ایک جگہ خدا سے خطاب کرتا ہے کہ :-

"یہ کہ میں، تجھے چاہتا ہوں اور صرف تجھی کو، میرے قلب کو اس کی تکرار بے نہایت کرنے دے۔"

کیا لذت بخش تکرار ہے اور کیسی پُرمزہ خواہش ہے۔ اسی نظم میں آگے چل کر اس تکرار آرزو کی شدت یہاں تک بڑھا دیتا ہے کہ:۔

"جس طرح رات اپنی تاریکی میں التجائے روشنی پنہاں رکھتی ہے اسی طرح میری بے خبری کے عمق میں یہ آواز گونجتی ہے کہ میں تجھے چاہتا ہوں اور صرف تجھی کو۔ جس طرح طوفان، جب وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ امن شکن ہوتا ہے اپنی نہایت کو امن ہی میں تلاش کرتا ہے۔ اسی طرح میرا انحراف تیری محبت کو صدمہ پہنچاتا ہے اور پھر بھی صدا یہی ہے کہ میں تجھے چاہتا ہوں اور صرف تجھی کو۔"

رات کی تاریکی میں التجائے روشنی کا پنہاں ہونا۔ طوفان کا، باوجود امن شکنی۔ اپنی انتہا امن ہی میں تلاش کرنا۔ یہ وہ پاکیزہ و فلسفیانہ تخیلات ہیں جن پر ٹیگور جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔

حالتِ انتظار کی کیفیات ملاحظہ ہوں:۔

"صبح سے شام تک میں اپنے دروازہ پر بیٹھی رہتی ہوں اور جانتی ہوں کہ خوشی کی گھڑی اچانک آجائے گی۔ اسی اثنا میں مسکراپڑتی ہوں اور گانے لگتی ہوں کہ ہوا کسی کے وعدے پیمان سے مجھے لبریز کر دیتی ہے۔" ۵

یارب خبر شوخیٔ مژگاں کہ دارد | پیراہن بیرنگ ہوا مستِ عبیر لیست
--- | ---

ہُوا کا بوئے پیمان سے لبریز کر دینا کیسا مکیف انداز بیان ہے اور جو خاص لطفِ کنایہ اس میں ہے اُس کا کیا پوچھنا۔ انتظار میں تخیل کا حُسنِ وسعت اک ادائے تسلیم کے ساتھ انتہارِ محویت میں یوں لطف تمنا اُٹھانا اور پھر ایسا محسوس کرنا گویا ہُوا خود مست و سرشار ہے اور مجھے نشۂ پیمان سے وارفتہ بنائے دیتی ہے، خدا جانے کیا قیامت ہے ؎

حضورِ گلشن بے اختیاری کردہ رنگیم | تماشہ خانۂ تسلیم سیرِ عالمے دارد
--- | ---

سوائے جمالِ خداوندی کے اور تمام مناظرِ عالم کی طرف سے آنکھیں بند کر لینا۔ اس کو اِس طرح بیان کرتا ہے کہ:۔

"آہ میری، میری قیمتی نیند جو غائب ہونے کے لئے صرف اس کے مس کا انتظار کر رہی ہے۔ آہ میری بند آنکھیں جن کے پپوٹے صرف اُسی کے ضیارِ تبسم میں کھلیں گے، جب نیند کی تاریکی سے پیدا ہونے والے خواب کی طرح وہ میرے سامنے آ کھڑا ہوگا۔ تمام روشنیوں، تمام صورتوں سے پہلے اُسی کو میری نگاہوں کے سامنے ظاہر ہونے، میری بیدار روح کا اولین رعشۂ مسرت اُسی نظارہ سے حاصل ہو اور میرا اپنے آپ میں واپس آنا۔ فوراً اسی کے پاس واپس ہونا ہو۔"

نیند کا یہ انتظار کہ کوئی مجھے آ کر چھوئے تو میں غائب ہوں، پپوٹوں

کی یہ ضد کہ ہم کھلیں گے تو کسی کے ضیاء تبسم ہی میں کھلیں گے روح کا اپنا اولین رعشۂ مسرت کسی کے نظارے سے حاصل کرنے کی خواہش اور پھر یہ تخیل کہ اپنے آپ میں واپس آنا فوراً اس کے پاس واپس ہونا ہو، میں نہیں سمجھتا کہ اِن اچھوتے خیالات کی داد کیونکر دی جائے۔

میں یہاں تک ٹیگور کی شاعری پر دو پہلوؤں سے نظر ڈال چکا، ایک تو تاثرات قلبی کا نہایت سادگی و بے ساختہ پن سے بیان کر دینا۔ دوسرے نزاکت معنوی وجدت آفرینی کے وسعتِ تخیل کو الفاظ میں ضبط کر لینا۔ لیکن تیسری خصوصیت ایک اور ہے جس ذکر شروع کے صفحات میں کر چکا ہوں کہ وہ مناظرِ فطرت کے دکھانے میں بھی کمال رکھتا ہے۔ صبح و شام، روز و شب، مختلف اوقات و مختلف حالات کی تصویر کھینچتا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ صرف ایک فقرہ میں وہ ایکے الفاظ جمع کر دیتا ہے۔ جس سے پورا سماں آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے اور مزید لطف یہ کہ جتنی تشبیہیں لکھتا ہے اور جتنے استعارات لاتا ہے سب میں ایک اچھوتا پن ہوتا ہے اور ذہن سامع فوراً اس کی لذت میں غرق ہو جاتا ہے ایک جگہ اُس کو یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ صبح ہوتے ہی چڑیاں کثرت سے بولنے لگیں وغیرہ وغیرہ اس حالت کو یوں ظاہر کرتا ہے کہ:۔

"صبح کا بحرِ خموشی۔ طیور کی ننھی ننھی امواج نغمہ میں تبدیل ہو گیا تھا۔ پھول کنارِ راہ میں مسرور تھے اور دولت زر بادلوں کے شگاف

میں پھیلی پڑی تھی۔"

بادلوں کے ٹکڑوں کی جو حالت طلوع آفتاب کے وقت ہوتی ہے اس کے اظہار کے لئے اس سے بہتر صورت ممکن نہیں کہ "دولتِ زر بادلوں کے شگاف میں پھیلی پڑی تھی۔" دوسری جگہ صبح کا ہونا یوں ظاہر کرتا ہے کہ:-

"صبح اپنا زرّیں بربط لئے ہوئے آئی۔"

تیسری جگہ یوں بیان کرتا ہے کہ:

"طلوع آفتاب زمین کو زرّیں تاج پہنانے آیا"

کُلفتِ جدائی کا حال بیان کرتا ہے اور موسم گرما سے استعارہ کرتا ہے کہ:-

"افق خوفناک طریقہ سے عریاں ہے، نرم بادل کی باریک سی باریک چادر بھی نہیں۔ دور کی ٹھنڈی بوچھاڑ کی آواز سے آوارہ اشارہ بھی نہیں" ————

"آسمان ہانپتا ہے۔ دوپہر کی حِدّت آفتاب سے کانپ رہا ہے اور جلتی ہوئی ریت اپنی پیاس کی چادر پھیلا رہی ہے۔"

ایک وقت کی تصویر کیسے پیارے الفاظ میں کھینچتا ہے کہ:-

"تیتریاں اپنے بادبان روشنی کے سمندر پر پھیلا دیتی ہیں کنول اور یاسمین امواج ضیا کی چوٹی پر لہرانے لگتے ہیں

اور بادلوں میں روشنی ٹکڑے ہو ہو کے سونا بن جاتی ہے"

ایک جگہ تلوار کی صفت بیان کرتا ہے کہ:۔

"محترم طائر دشتنو کے پھیلے ہوئے بازو کی طرح بجلی کا
سا خم رکھنے والی تلوار غروب آفتاب کی غصہ ناک سرخ
روشنی میں تلی ہوئی تلوار"

بچوں کی آنکھوں میں نیند کہاں سے آتی ہے؟ اُسے ظاہر کرتا ہے کہ:۔

"پریوں کے گانے میں ایک سایہ دار جنگل ہے اور اُس
سایۂ صحرا میں جو جگنو کی روشنی کی وجہ سے کچھ کچھ جھمک رہا ہے،
دو نازک کلیاں جادو کی لٹک رہی ہیں۔ وہیں سے یہ نیند
آتی ہے"۔

اپنے دنیا سے رخصت ہونے کی تصویر ان پُر درد الفاظ میں کھینچتا
ہے کہ:۔

"مجھے رخصت مل گئی ہے۔ اے بھائیو، مجھے خیر باد کہو، میں
تم سب کے سامنے جھکتا ہوں اور روانہ ہوتا ہوں۔ اپنے
دروازہ کی ساری کنجیاں واپس دیتا ہوں اور اپنے مکان
کے سارے دعوے ترک کرتا ہوں۔ اب میں تم سے صرف
مہربانی کے آخری الفاظ سننا چاہتا ہوں، ہم تم عرصہ
تک ہمسایہ رہے ہیں، لیکن مجھے ہمیشہ اُس سے زیادہ ملا
جتنا میں نے دیا۔ اب دن نکل آیا ہے اور چراغ جو میرے

تاریک گوشہ کو منور رکھتا تھا گل ہوگیا ہے پیام طلب
آگیا ہے اور اب سفر کے لئے آمادہ ہوں"

ایک جگہ اور اسی حالت کا بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:۔

"یہ نہ پوچھو، میرے پاس وہاں لیجانے کو کیا ہے، میں اپنے
سفر پر خالی ہاتھ لیکن پُر امید قلب لیکر جا رہا ہوں"

بہر حال یہ امر مسلمہ ہے کہ ٹگور موجودہ دور کے اُن بہترین شعراء میں شمار کئے جانے کے قابل ہے جو فطری (حقیقی رمتصوفانہ) شاعری کا ذوق رکھتے ہیں۔ طبیعت میں گداز در قت۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے عنایت کرے، اور ٹگور کو فخر کرنا چاہیئے، کیونکہ یہی ایک خصوصیتِ قلب ہے جس نے اس کے کلام کو ایسا پُر اثر، لطیف و دل دوز بنا دیا۔

اب میں اس تبصرہ کو ختم کرتا ہوں اور نفس ترجمہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

(۳)

اس کے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں کہ کسی ادبی تصنیف کا پورا لطف اسی وقت اُٹھایا جا سکتا ہے جب اصل تصنیف دیکھی جائے، کیونکہ ترجمہ میں سارے محاسن کسی زبان کے ضبط ہو ہی نہیں سکتے اور علی الخصوص جب ترجمہ بھی اصل تصنیف سے نہ کیا گیا ہو بلکہ دوسری زبان کے ترجمے سے ہو۔ لیکن چونکہ گیتان جلی کا انگریزی اڈیشن خود مصنف کا مرتب کیا ہوا ہے اس لئے خیال یہی ہے کہ

اصل مفہوم کے ساتھ ساتھ لطف زبان بھی بہت کچھ منتقل ہوا ہوگا میں نے یہ ترجمہ انگریزی سے کیا ہے اور اس بات کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ کوئی لفظ بغیر ترجمہ کے نہ رہ جائے اور کوئی ترکیب ایسی نہ چھوٹنے پائے جس سے لطف خاک میں مل جائے۔

میں نے اکثر جگہ اس بات کی کوشش کی ہے اور میں اس کوشش میں کامیاب بھی ہوا ہوں کہ محلِ الفاظ میں تغیر نہ ہو اور اس لئے میرا خیال ہے کہ نظم کا نفسِ مدعا اور زورِ سخن ہاتھ سے نہ گیا ہوگا۔

ایک بات اور قابلِ گذارش ہے کہ انگریزی لٹریچر میں علاوہ تشبیہات و استعارات کے ایک طریقۂ بیان اور بھی ہے جس کو کہتے ہیں اس کا لفظی ترجمہ تو "صفتِ منقول" ہے لیکن ہمارے ہاں کے علم بیان اور معانی میں اس کو روزمرۂ مجاز رکھا جا سکتا ہے۔ میں ذرا اس کو واضح طور سے ایک آدھ مثال دے کر سمجھاؤں گا۔ مثلاً ایک فقرہ ہے "غیر فانی ہاتھوں کا لمس" یا "بارانِ جولانی کی تاریکی"۔ لیکن انگریزی میں ہاتھوں کی "غیر فانی" صفت اور جولانی کی "باران" کو لمس و تاریکی کے ساتھ متعلق کر دیں گے اور یوں کہیں گے کہ "ہاتھوں کا غیر فانی لمس" اور جولانی کی باران تاریکی" میں نے ترجمہ کرنے میں اس قسم کی ترکیبوں کا بالکل وہی انداز رکھا ہے جو اصل کتاب میں ہے اور اس سے صرف یہی منشا نہیں کہ ایک مترجم کا فرض ہی یہ تھا۔ نہیں بلکہ مقصود اس سے یہ ظاہر

کرنا ہے کہ غیر زبانوں میں جو جدت اور ندرت پائی جائے اس کا استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ اپنی زبان کو وسیع و شگفتہ بنانا ہے۔ میں عرصہ سے اپنے ادبی مضامین نظم و نثر میں اس نوع کی ترکیبوں کا استعمال کر رہا ہوں اور بہت سے بد مذاق مدعیان زباندانی کا ہدف ملامت بھی بنا ہوں لیکن میں مطمئن ہوں کہ وہ زمانہ دور نہیں جب ان حضرات کو خود اپنی زباندانی سے نفرت ہو جائے گی اور اپنی قدامت پسندی کی کافی سزا مل رہے گی۔

اب میں اس مقدمہ کو ختم کر کے اصل کتاب کا ترجمہ پیش کرتا ہوں جس کے لئے آپ بے تاب ہوں گے۔ ارادہ تھا بلکہ ضرورت تھی کہ ہر نظم کا مفہوم بھی مختصراً لکھا جائے۔ کیونکہ بعض نظمیں بہت دقیق ہیں اور یہ بھی خیال تھا کہ ہر نظم کے ہم معنی اشعار جو اپنی یا فارسی زبان میں ہوں درج کئے جائیں، لیکن پھر سوال وہی ہے کہ یہ زحمت کس کے لئے گوارہ کی جائے۔ اگر پبلک نے اس کی قدردانی کی تو آئندہ وہ بھی ممکن ہے۔ ورنہ اسی کی زندگی کی کیا اُمید ہے، تاہم میں نے بعض بعض جگہ فٹ نوٹ میں اشارات درج کر دیئے، شاید مفید ثابت ہوں

ترجمہ کرنے میں اس بات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سادگی ہاتھ سے نہ جائے اور اس لئے بہت سہل اور کثیر الرواج الفاظ لائے گئے ہیں۔ لیکن آپ دیکھیں گے کہ بعض جگہ عربی کے الفاظ بھی آ گئے ہیں اور ایسی ترکیبوں کے ساتھ آئے ہیں جن کا استعمال اُردو

میں زیادہ نہیں ہے۔ مثلاً "دائم الجدّت" "وسیع البسط" لیکن جب آپ اصل کتاب کو اٹھا کر دیکھیں گے تو معلوم ہو گا کہ

اور                     کا ترجمہ اس سے بہتر ممکن نہ تھا اور دوسری صورت اختیار کرنے میں وہ لطف جو اس حالت میں قائم رہا جاتا رہتا۔

جا بجا آپ قوسین کے اندر کچھ عبارت پائیں گے اس کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ اُسے اصل کتاب سے بالکل تعلق نہیں ہے بلکہ صرف وضوح مطالب کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

انگریزی داں حضرات سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اصل کتاب سے اس ترجمہ کا مقابلہ کر کے 'جو غلطی مجھ سے ہو گئی ہو گی' اس سے مطلع کریں گے لیکن توقعات کا پیدا ہونا بجائے خود ایک مایوسی ہے۔ خیر!

بہرحال میرے لئے اس سے زیادہ باعثِ تشکر و مسرت دوسری بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ارباب قلم اپنی مخلصانہ رائے سے مجھے مطلع کریں۔ کیونکہ معاندانہ تحریریں نہ صرف یہ کہ وہ راستی و صداقت کے خلاف ہوتی ہیں۔ یوں بھی غیر وقیع سمجھی جاتی ہیں اور اس لئے انکا اثر کم از کم مجھ پر تو کچھ ہوتا نہیں۔

ایک بات اور عرض کرنی ہے کہ گیتان جلی خواہ انگریزی میں دیکھی جائے یا اور کسی زبان میں، ضرورت ہے کہ بار بار مطالعہ

کیا جائے اور ہر دفعہ اس کے استعارات و کنایات کے سمجھنے کی کوشش کی جائے کیونکہ نگاہِ اوّل میں سارے مطالب محاسن سے لطف اُٹھانا مشکل ہے۔ جس قدر زیادہ غور کیجیے گا اسی قدر اس کی خوبیاں ذہن نشین ہوتی جائیں گی۔

نیاز

۲۲ رمئی سنہ ۱۹۱۴ء

# گیتانجلی

## عرض نغمہ

(۱)

تو نے مجھے غیر متناہی بنا دیا، ایسی ہی تیری مرضی ہے۔ اِس کمزور ظرف (ہستی) کو تو بار بار خالی کرتا اور ہمیشہ ایک تازہ زندگی سے (اُسے) معمور کر دیتا ہے[1]

یہ نَے کی چھوٹی سی بانسری تُو وادیوں میں پہاڑیوں پر لئے پھر رہا ہے اور اُس سے تو کیسے کیسے دائم الجدّت نغمے پھونک رہا ہے۔ تیرے ہاتھوں کے غیر فانی مَس سے میرا ننھا دل اپنے حدود (حقیقت) مسرت میں بھول جاتا ہے اور ایک ناقابلِ بیان اظہار اُس سے پیدا ہوتا ہے۔

تیرے غیر محدود انعامات مجھ تک آتے ہیں اور میرے انہیں

---

[1] عقیدۂ تناسخ

مختصر چھوٹے چھوٹے ہاتھوں پر! عمریں گذرتی جاتی ہیں اور اب بھی تو دانُن کی، بارشس کر رہا ہے۔ تاہم معموری کے لیے جگہ باقی ہے۔

(۲)

جب تو مجھے گانے کا حکم دیتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا قلب داس لطف و پرستش کی سمائی اپنے میں نہ پاکر فخر و غرور سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ میں تیری صورت دیکھتا ہوں اور میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں، جو کچھ میری زندگی میں سخت و کرخت ہے۔ اک شیریں نغمۂ واحد کی صورت میں رقیق ہو کر تبدیل ہو جاتا ہے اور میری پرستش اُس مسرور طائر کی طرح جو سطح سمندر پر اُڑ رہا ہو اپنے بازو پھیلا دیتی ہے۔

میں جانتا ہوں تو میرے گانے سے دلچسپی لیتا ہے میں جانتا ہوں کہ صرف ایک مغنی کی حیثیت سے میں تیرے حضور میں آتا ہوں میں اپنے وسیع البسط بازوئے نغمہ کے کنارے سے تیرے قدموں کو چھو لیتا ہوں، جن تک پہنچنے کا حوصلہ میں کبھی نہیں کر سکتا تھا۔

مسرت سرود سے سرشار ہو کر میں اپنے تئیں بھول جاتا ہوں اور تجھے اپنا دوست کہتا ہوں، حالانکہ تو میرا مالک و آقا ہے[۱]

---

[۱] اس نظم میں عبادت نغمہ کی کیفیات ظاہر کی گئی ہیں جو متصوفین ہند کے ہاں بہترین ذریعہ تاثرات روحانی کے پیدا کرنے کا ہے۔

(۳)

اے میرے آقا! مجھے نہیں معلوم تو کس طرح گاتا ہے! میں ہمیشہ ایک خاموش حالتِ تحیر میں سُنا کرتا ہوں!

تیری موسیقی کی روشنی عالم کو منور کر رہی ہے، تیری موسیقی کا نفسِ حیات ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک دوڑا پھرتا ہے۔ تیری موسیقی کا مقدس چشمہ تمام سنگین حجابات کو توڑ کر بہ نکلتا ہے۔

میرا قلب آرزومند ہے کہ تیرے نغموں کا ہمنوا ہو جائے لیکن ایک آواز کے لئے بیکار تڑپ رہا ہے میں بولتا ہوں، میں بول نغمہ نہیں ہوتے، لاچار عاجز ہو کر چیخ اُٹھتا ہوں، آہ! تو نے میری قلب کو اپنی موسیقی کے بے شمار پھندوں میں اسیر کر لیا اے آقا! [لہ]

(۴)

اے جانِ جاں! میں ہمیشہ اپنے جسم کو صاف و پاک رکھنے کی کوشش کرونگا۔ یہ جان کر کہ تیرا ذی حیات مَس میرے تمام اعضاءُ پر (محیط) ہے۔ میں تمام ناراستیوں کو اپنے خیالات سے دور رکھنے کی کوشش کرونگا! یہ جان کر کہ تو وہ راستی (صداقت) ہے

---

لہ اس میں وہی تخیل ظاہر کیا ہے جس کا ذکر مقدمہ میں کر چکا ہوں یعنی موسیقیت خود ایک الوہیت ہے اور ایک غنا جاوید کائنات کے ہر ہر ذرہ میں نہاں ہے گویا خدا کی موسیقی نے جسم اختیار کر لیا اور تمام عالم ظہور میں آ گیے

جس نے ضیاءِ عقل سے میرے نفس کو منور کر رکھا ہے۔

میں ہمیشہ کوشش کرونگا کہ تمام بُرائیاں اپنے دل سے نکال ڈالوں اور اپنے عشق کو پھول کی طرح (تازہ و شگفتہ) رکھوں۔ یہ جانکر کہ تیری جگہ میری دل کی خلوت حرم میں ہے۔

اور میری کوشش ہمیشہ یہ رہے گی کہ میرے تمام افعال سے تیرا ہی ظہور رہو۔ یہ جانکر کہ وہ تیری ہی قوت ہے جو مجھے کام کرنے کی قوت بخشتی ہے۔

(۵)

میں تو صرف اتنی عنایت چاہتا ہوں کہ ایک لمحہ کے لئے تیری پاس بیٹھ جاؤں اور کام جو میرے پاس ہیں اُنھیں تو میں پھر بھی ختم کرلوں گا تیری صورت سے اوجھل ہو کر میرا قلب راحت و مہلت سے نا آشنا ہو جاتا ہے اور میرا کام محنت کے بحرِ ناپیدا کنار میں ایک غیر محدود مشقت ہو کر رہ جاتا ہے۔

آج موسم گرما اپنی آہوں اور سرگوشیوں کے ساتھ میرے دریچہ کے پاس آگیا ہے اور شہد کی مکھیوں نے شگفتہ کنج کے صحن میں اپنا ساز چھیڑ رکھا ہے۔[۱]

---

[۱] موسم کی اُس حالت سے جب بہار اپنی موسیقی و شگفتگی پھیلا کر رکھ دیتی ہے شاعر متاثر ہو جاتا ہے۔ اختیار جذبات عالیہ پیدا ہونے لگتی ہیں اُس وقت کو وہ حضوری کے لئے پسند کرتا ہے اور پرستش ترنم میں محو ہو جاتا ہے۔

اب وقت ہے کہ تیرے چہرے کے مقابل خاموش بیٹھ جاؤں اور ساکن و دافر فرصت میں نغمۂ حیات (تیرے حضور میں)، گاؤں۔

(۶)

اس چھوٹے سے پھول کو توڑ لے اور لے لے۔ دیر نہ کر! مجھے خوف ہے کہ مبادا وہ کمھلا جائے اور خاک آلودہ ہو جائے۔

وہ تیرے ہار میں جگہ نہ پائے، نہ پائے، لیکن اپنے درد مند ہاتھ کے مس سے اُس کی عزت تو بڑھا دے میں ڈرتا ہوں، کہیں میرے آگاہ ہونے سے پہلے ہی دن ختم نہ ہو جائے اور نذر کا وقت گذر جائے مانا کہ اس کا رنگ گہرا نہیں ہے۔ اُس کی خوشبو کمزور ہے (لیکن کیا ہرج ہے۔) اپنی خدمت (پرستش) کے لئے اُس پھول کو کام میں لا۔ اور اُسے توڑ لے، جبکہ ابھی وقت ہے۔

(۷)

میرے نغمہ نے اُس کی آرائشیں ملتوی کر دی ہیں۔ اُسے زینتِ ملبوس و زیبائش پر فخر نہیں رہا (کیونکہ) زیور ہمارے اتصال کو بے لطف کر دیتے، وہ میرے تیرے درمیان حائل ہو جاتے اُنکی آواز میں تیری سرگوشیاں غائب ہو جاتیں۔

میرے شاعر کا غرور تیرے سامنے شرم سے غائب ہو جاتا ہے، اے استاد الشعراء میں تیرے قدموں میں بیٹھا ہوں، مجھے اپنی زندگی ایک بانسری کی طرح ...... سادہ و راست بنا لینے دو تاکہ صرف تیری ہی

لیے اُسے موسیقی سے معمور کر سکوں۔

بچہ جو شاہانہ ملبوس سے آراستہ ہے اور جس کے گلے میں پُرجواہر زنجیر پڑی ہے۔ اپنی کھیل کود کی ساری مسرتیں کھو بیٹھتا ہے اس کا لباس ہر قدم پر اُسے اُلجھا دیتا ہے۔

اس خوف سے کہ کہیں اُس (لباس) میں رگڑ نہ لگ جائے خاک سے داغدار نہ ہو جائے، وہ اپنے تئیں دنیا سے علیحدہ ہی علیحدہ رکھتا ہے اور حرکت کرتے بھی ڈرتا ہے۔

اے ماں! یہ نفائس کی مجبوری لاحاصل ہے، اگر وہ کسی کو زمین کی پُرصحت خاک سے جُدا رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ اگر وہ ایک عام تماشہ گاہِ حیاتِ انسانی کے دروازے میں داخل ہونے کے حق کو کسی سے چھین لیتی ہے۔

(۹)

اے بے وقوف! خود اپنے تئیں، اپنے ہی دوش پر لے جانے کی کوشش! اے گدا اپنی ہی دروازے پر گدائی کے لئے آنا!

اپنا بار اُس کے ہاتھوں پر ڈال دے، جو سب کو سنبھال سکتا ہے اور کبھی حالتِ تاسف میں پیچھے مڑ کے نہیں دیکھتا۔

تیری تمنا فوراً اُس شمع کی روشنی گُل کر دیتی ہے، جسے وہ اپنی سانس سے چھُو لیتی ہے، وہ آلودہ ہے۔ اُس کے آلودہ ہاتھوں سے نذریں نہ نہ لے۔ صرف اُس چیز کو قبول کر جسے پاک محبت پیش کرے۔

(۱۰)

تیرا پا انداز تو یہاں ہے اور تیرے قدم وہاں، جہاں مفلس و ذلیل (حقیر) برباد لوگ رہتے ہیں۔

جب میں تیرے سامنے جھک جانے کی کوشش کرتا ہوں تو میرا (خم) عجز اُس عمق تک نہیں پہنچ سکتا جہاں تیرے قدم مفلس و ذلیل و حقیر و برباد لوگوں کے پاس ہیں۔

غرور کی رسائی وہاں نہیں ہے جہاں تو ملبوسِ عجز میں مفلس و ذلیل حقیر و برباد لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے۔

میرا قلب وہاں باریاب ہونے کی راہ نہیں پاتا جہاں تو مفلس و ذلیل حقیر و برباد لوگوں کے درمیان بے یار و مددگار کا ساتھی ہے۔

(۱۱)

یہ (عبادت)، نغمہ و سرود! یہ تسبیح خوانی چھوڑ! دروازہ بند کر کے خانقاہ کے سنسان اور تاریک گوشہ میں تو کس کی پرستش کر رہا ہے؟

آنکھیں کھول! دیکھ تیرا خدا، تیرے روبرو نہیں ہے!

وہ وہاں ہے، جہاں کاشتکار سخت زمین میں ہل چلا رہا ہے! جہاں سڑک بنانیوالا پتھر توڑ رہا ہے۔ وہ اُن کے ساتھ دھوپ اور بارش میں ہے اور اُس کا ملبوس خاک میں اَٹا ہوا ہے، یہ خرقہ سالوس اُتار کے پھینک دے اور اُسی کی طرح خاک زمین پر اُتر آ!

آزادی؟ یہ آزادی کہاں میسر ہے؟ ہمارے آقا نے خود ہی خوشی
سے آفرینش کی بندشیں اپنے سر لے لی ہیں، وہ آپ ہمارے ساتھ
ہمیشہ کے لیئے پابند ہو گیا ہے۔

اپنے تخیلات سے باہر آ! ان پھولوں اور بخورات کو الگ رکھ
دے! کیا ہرج ہے اگر تیرے کپڑے بوسیدہ داغدار ہیں؟
اُس سے مل اور محنت وعرق پیشانی کے ساتھ اُس کے پاس
آ کھڑا ہو۔

(۱۲)

وہ وقت جو میرے سفر میں صرف ہے، طویل ہے اور راستہ دور
دراز روشنی کی شعاعِ اوّلیں کی رتھ پر میں آیا، اور کائنات کے بیابان
میں اپنا نشان بہت سے سیاروں اور ستاروں پر چھوڑتے ہوئے
میں نے اپنا سفر شروع کیا۔

وہ بعید ترین راستہ ہے جو تیرے پاس تک بہت قریب ہو کر
پہنچتا ہے اور وہ نہایت بہت پیچیدہ ہے جو نغمہ کی سی نمایاں
سادگی کی طرف رہبری کرتی ہے۔

ایک مسافر کو اپنے ہی دروازے پر پہنچنے کے لیئے ہر اجنبی در کھٹکھٹانا
پڑتا ہے اور تمام ظاہر انقطاع عالم میں آوارہ پھرنا پڑتا ہے، جب وہ آخرکار
اپنے نہاں خانۂ حرم تک پہنچتا ہے۔

میری نگاہیں دور و نزدیک بھٹک چکی تھیں، قبل اِس کے کہ

میں نے انھیں بند کر لیا اور کہا کہ "تو یہاں ہے"! یہ سوال و آواز کہ "آہ کہاں؟" پگھل کر ہزارہا چشموں میں تبدیل ہو جاتے ہیں، اور "میں ہوں" کا سیلِ ایقانِ عالم میں طوفان برپا کر دیتا ہے[1]

(۱۳)

وہ گیت جس کے گانے کے لئے میں آیا تھا۔ اس وقت تک بے گایا ہوا پڑا ہے۔ میں نے اپنے دن تار کے چڑھانے اُتارنے ہی میں صرف کر دیئے۔

وقت مناسب ابھی نہیں آیا۔ الفاظ موزوں نہیں ہوئے صرف دردِ آرزو قلب میں ہے۔

کلی ابھی نہیں کھلی، صرف ہوا ٹھنڈی سانسیں بھر رہی ہے۔

نہ میں نے اس کی صورت دیکھی اور نہ میں نے اس کی آواز پر توجہ کی۔ میں نے اُس کے آہستہ قدموں کی صرف آواز اُس سڑک سے سُنی ہے جو میرے گھر کے سامنے ہے۔

ایک دیرپا دن اُس کا فرش بچھانے ہی میں گذر گیا اور شمع اس وقت تک روشن نہیں ہوئی ۔ اس لئے، میں اُسے گھر کے اندر نہیں بُلا

---

[1] تمام عالم اس کی جستجو میں چھان مارا لیکن ع آنکھ کی بند ہوا کوچہ جانا پیدا۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے ہی دل کے اندر موجود ہے وہ جستجوئیں اور وہ ندائیں منفعل ہو کر پانی پانی ہو گئیں اور ذرہ ذرہ اُس کے وجود کا شاہد نظر آنے لگا۔

سکتا۔ میں اس سے بل رہنے کی امید پر جی رہا ہوں، لیکن وہ ملنا اب تک نہیں ہوا۔

(۱۴)

میری خواہشیں بہت ہیں اور میری صدا قابل رحم! لیکن تو نے ہمیشہ اپنے سخت انکارات کی وجہ سے مجھے محفوظ رکھا اور یہ قوی رحم ہمیشہ میری حیات کے اندر ہی اندر کام کرتا رہا۔

روز بروز تو مجھے اُن عطایائے سادہ و عظیم کا اہل بنا رہا ہے، جنھیں بلا سوال ہجوم خواہشات سے بچا کر تو مجھے عنایت کرتا ہے۔ (وہ عطایا کیا ہیں)، یہ آسمان و زمین۔ یہ جسم۔ یہ حیات و نفس۔

بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں جب میں ایک حالتِ افسردگی میں انتظار کیا کرتا ہوں، اور بعض ایسے کہ میں جاگ اُٹھتا ہوں اور اپنے مدعا کی تلاش میں دوڑ پڑتا ہوں، لیکن تو بے رحمی کے ساتھ اپنے تئیں میرے سامنے چھپا لیتا ہے۔

تُو مجھے اپنے انکار مکرر سے کمزور و بے قرینہ .... تمناؤں کے خطرات سے بچا کر اپنی قبولیت تامہ کا اہل بنا دیتا ہے۔

میں تو یہاں صرف تیرا ہی گیت گانے کیلئے ہوں، اس تیری بارگاہ میں، میں بھی اپنے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی ہوں۔

اس تیری دنیا میں، میرے پاس کوئی کام کرنے کو نہیں ہے (سوائے اس کے) کہ میری بیکار زندگی بغیر کسی مدعا کے ٹوٹ ٹوٹ کر صرف لحن نغمہ

بن سکتی ہے۔

جب آدھی رات کے تاریک معبد میں گھڑیال تیری پرستش خاموش کے وقت کا اعلان کرے، تو اے میرے آقا مجھے بھی حکم دے کہ تیرے حضور میں گانے کے لئے کھڑی ہوں۔

جب صبح کی ہوا میں بربطِ زرّیں کا ساز ملا یا جائے، میری حاضری کے حکم سے مجھے بھی سرفراز کر۔

(۱٦)

اس جشن گاہ دنیا میں مجھے بھی نوید (شرکت) ملا ہے اور اس طرح میری زندگی مسرور ہے میری آنکھوں نے دیکھا، میرے کانوں نے سُنا۔

اس جشن میں ساز بجانا میرے سُپرد کیا گیا تھا[۱] اور جو کچھ میرے بس کا تھا میں کر چکا۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ میں اندر جاؤں

---

[۱] یہ وہ خدمت ہے جس کے انجام دینے سے آسمان و زمین شجر و حجر سب نے انکار کر دیا کہ ہم عاجز ہیں لیکن انسان نے بڑھ گیا لرزاں تپاں آگے کہ میں معقول ہوں + آرزو بودی ہو گو اک ذرۂ مجہول ہوں۔ وہ محبت سرمدی جو اک ٹوٹنے والے دل، رو پڑنے والی آنکھوں کی متلاشی تھی متحرک ہوئی اور اس ذرۂ مجہول کے اندر منتقل ہو گئی اور یہی تھا وہ ساز درد جس کو ٹگور نے یوں بجایا تا اور کسی نے کہا کہ ع قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند۔

اور تیسری صورت دیکھ کر اپنا خاموش سلام تیرے حضور میں پیش کر دوں۔

(۱۷)

میں صرف محبت کا منتظر ہوں کہ آخر کار اُس کے ہاتھوں میں اپنے تئیں سونپ دوں۔ یہی سبب ہے کہ اس قدر تاخیر ہو گئی اور یہی وجہ ہے کہ میں اس قدر متروکات کا مُجرم ہوں۔

لوگ اپنے قواعد و قوانین لے کر آتے ہیں کہ مجھے پابند کریں لیکن میں ہمیشہ اُن سے بچتا ہوں، کیونکہ میں محبت کا منتظر ہوں کہ آخر کار میں اپنے تئیں اُس کے ہاتھوں میں سونپ دوں۔

لوگ مجھ پر الزام رکھتے ہیں، مجھے لاپرواہ کہتے ہیں۔ مجھے ذرا شبہ نہیں کہ وہ ٹھیک کہتے ہیں۔

بازار کا دن ختم ہو گیا ہے اور ایک مشغول آدمی کا کام انجام کو پہنچ چکا ہے۔ وہ لوگ جو مجھے یونہی فضول بُلا لے آئے تھے غصہ ہو کر واپس چلے گئے ہیں (اور) میں صرف محبت کا منتظر ہوں کہ آخر کار اپنے تئیں اُس کے ہاتھوں میں سونپ دوں[۵]۔

(۱۸)

بادل پر بادل اکٹھے ہوتے جاتے ہیں اور تاریکی بڑھتی جاتی ہے۔ آہ! اے محبت! تو کیوں مجھے دروازے سے باہر بالکل تنہا منتظر بنائے ہوئے ہے۔

---

[۵] اس نظم میں وہ اپنے تئیں اُن لوگوں سے جُدا ظاہر کرنا چاہتا ہے جو دنیاوی مشاغل میں پھنسے ہیں وہ ان سب کی ملامت و نکوہش کو برداشت کرتا ہے اور اپنی زندگی کو وقف عشق و محبت کرنا چاہتا ہے۔

محنتِ نیم روز کے مشغول لمحات میں (تو خیر) میں مجمع کے ساتھ رہتا ہوں۔ لیکن اس تنہا روزِ تار میں تو صرف تو ہی ہے جس کی آس بندھی ہوئی ہے۔

اگر تو مجھے اپنی صورت نہ دکھائے گا۔ تو مجھے یونہی تنہا چھوڑ دیگا تو میں نہیں جانتا کہ یہ بارش کے طویل گھنٹے کیونکر کٹیں گے[1] میں آسمان کے بعید تاریکی کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھتا ہوں اور میرا قلب بےچین ہوا کے ساتھ ساتھ کراہتا پھرتا ہے۔

(۱۹)

اگر تو مجھ سے نہ بولے گا تو میں اپنے قلب کو تیری خاموشی سے بھر لوں گی اور اُسے برداشت کروں گی، میں خاموش رہوں گی اور رات کی طرح نجومی بیداری کی حالت میں صبر واستقلال سے گردن جھکائے تیرا انتظار کیا کرونگی۔

صبح یقیناً آئیگی تاریکی زائل ہو کے رہیگی[2]۔ اور تیری آواز آسمانوں کو توڑ کر زریں چشموں کی صورت میں بہنے لگیگی۔

اُس وقت تیری باتیں میری چڑیوں کے آشیانوں سے نغمہ بنکر اُڑنے لگیں گی اور تیرے نغمے میرے صحرائی کُنجوں میں پھول

---

[1] حالتِ ابتلا یا وقتِ نزع میں لطفِ خداوندی کا طلبگار ہے۔

[2] یعنی یہ تعلق جسم مٹ جائے گا۔

بن کر پھوٹ نکلیں گے۔

(۲۰)

اس دن جب کنول کھلا۔ افسوس میرا قلب بھٹکتا پھر رہا تھا اور میں اُس سے بے خبر تھا۔ میری ٹوکری خالی تھی اور پھول پڑے تھے کسی کو ان کی پرواہ نہ تھی۔

صرف ایک غم میرے اوپر طاری ہوا۔ میں اپنے خواب سے چونک پڑا اور بادِ جنوب میں ایک عجیب و غریب نکہت کا شیریں سُراغ میں نے پالیا۔

اُس آوارہ شیرینی نے میرے قلب میں آرزو سے ایک درد پیدا کر دیا۔ مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ موسمِ بہار کا پُر آرزو نفس اپنی تکمیل کا متجسس ہے۔

مجھے اُس وقت یہ نہ معلوم تھا کہ وہ اس قدر قریب ہے گویا اپنی ہی ہے اور یہ مکمل شیرینی میرے ہی عمق قلب میں شگفتہ ہے۔

(۲۱)

مجھے اپنی کشتی ڈال دینی چاہیئے۔ بیکار گھنٹے ساحل پر کھڑے کھڑے گذرے جاتے ہیں۔ حیف ہو مجھ پر!

فصلِ بہار پھول کھلا کر رخصت ہو چکی ہے اور میں اب کُملائے ہوئے بے مصرف پھولوں کے بار سے لدا ہوا (فضول) انتظار میں کھڑا ہوں۔

لہریں پُر شور ہو چلی ہیں اور ساحل پر سایہ دار راہ میں زرد
پتیاں اُڑ رہی ہیں اور گر رہی ہیں۔

تم کیا حیرت سے تک رہے ہو! کیا تم اک لرزش اس نغمۂ بعید
کی راگنیوں سے ملی ہوئی جو اُس ساحل سے موجزن ہے ہَوا کی درمیان
گذرتی ہوئی محسوس نہیں کرتے[1]؟

(۲۲)

بارانِ جولائی کے گہرے سایہ میں نگہبانوں کی نگہ سے بچتا ہوا پوشیدہ
قدموں سے تورات کی طرح خاموش چلا جا رہا ہے۔ آج صبح نے پُرشور
بادِ مشرق کی صدائے پیہم سے بے خبر ہو کر اپنی آنکھیں بند
کر لی ہیں اور ایک دبیز نقاب بیدار جاوید نیلگوں آسمان کے چہرے
پر پڑا ہوا ہے۔

صحرائی قطعات نے اپنی راگنیاں ختم کر دیں اور دروازے ہر
مکان کے بند کر لئے گئے ہیں۔

صرف تو ایک تنہا چلنے والا (مسافر) اُس سنسان گلی میں رہ گیا
ہے۔ آہ! اے میرے تنہا دوست! میرے اچھے محبوب
میرے گھر کے دروازے اب بھی کھلے ہیں۔ خواب کی

---

[1] خاتمہ زندگی کے علامات ظاہر ہو چکے ہیں اور سفر کی تیاری ہے پھر کیا حیرت و
استعجاب ہے حقیقی زندگی تو وہی ہے جواب شروع ہوگی اور جو موسیقیت سے معمور ہے

طرح نہ گذر جا۔[1]

(۲۳)

اے میرے دوست! اس طوفانی رات میں بھی اپنے سفر محبت میں گھر سے باہر (پھر رہا ہے) آسمان کراہتا ہے، جیسے کوئی عالم نامرادی میں ہو۔

آج مجھے نیند نہیں آتی۔ گھڑی، گھڑی میں دروازہ کھولتی ہوں اور اے محبوب تاریکی میں باہر نگاہ دوڑاتی ہوں (لیکن) مجھے سامنے کچھ نظر نہیں آتا۔ مجھے حیرت ہے کہ تیرا راستہ آخر ہے کدھر!

کس سیاہ دریا کے تاریک ساحل سے کس برہم جنگل کے کنارے بعید سے، کس تاریکی کے پُر پیچ عمق میں ہو کر۔ اے میرے حبیب تو اپنا راستہ مجھ تک آنے کے لئے طے کر رہا ہے۔؟

(۲۴)

اگر دن ختم ہو گیا ہے، اگر چڑیاں اب نہیں گاتیں۔ اگر ہوا مضمحل و خستہ ہو گئی ہے تو تاریکی کا نقاب میرے (چہرہ کے) اوپر ڈال دے بالکل اُسی طرح جس طرح تو نے زمین کو چادر خواب میں ملفوف کر دیا اور جس طرح شام کے وقت نڈھال کنول کی پنکھڑیوں کو

---

[1] اس نظم سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹیگور عالمِ خلوت و تنہائی میں خاصکر جب فضائے عالم مناظر فطرت کے غیر معمولی اضطراب تغیر سے متاثر ہو، کیسے تاثرات اپنے اندر پنہاں رکھتا ہے۔

نزاکت کے ساتھ بند کر دیا۔

اُس مسافر سے شرم و افلاس دور کر دے، جس کا زادِ راہ قبل اختتام سفر نبٹ چکا ہے، جس کا ملبوس بوسیدہ و گرد آلود ہے اور جس کی قوت خستہ ہو چکی ہے اور اپنی لطف بخش رات کے پردہ میں پھول کی طرح اُسے حیاتِ تازہ مرحمت کر لے۔

(۲۵)

شبِ اضمحلال میں مجھے توفیق دے کہ میں تجھ پر تکیہ کر کے بلا کسی جد و جہد کے اپنے تئیں نیند کے سُپرد کر دوں ایسا نہ کر کہ میں اپنی تھکی ہوئی روح کو تیری پرستش کے لئے غریب آمادگی پر مجبور کروں۔

وہ تو ہی ہے جو رات کا نقاب دن کی تھکی ہوئی آنکھوں پر ڈال دیتا ہے تاکہ بیداری کی مسرت تازہ سے اُس کے منظر کی تجدید ہو جائے۔

(۲۶)

وہ آیا۔ اور میرے پہلو میں بیٹھ گیا۔ لیکن میں نہ جاگی! ہائے وہ نیند کیسی کم بخت نیند تھی۔ ذلت ہو میرے لئے!

وہ آیا جب رات خاموش و ساکن تھی۔ اُس کے ہاتھ میں اُسکا

---

لہ یعنی جب میرے حیات جسمانی کے دنیاوی تعلقات ختم ہونے کو ہوں تو مجھے جو ایک خستہ و غریب مسافر کی طرح تیری طرف آ رہا ہے، اپنے انعام و لطف سے مسرور کر۔

بربط تھا، اور اُس کے نغموں سے میری نیندیں معمور تھیں۔

افسوس کیوں میری ساری راتیں اسی طرح ضائع ہو رہی ہیں، آہ میں کیوں ہمیشہ اُس کا دیدار چوک جاتی ہوں، جسکی سانس میری نیند کو چھُو، چھو جاتی ہے۔

(۲۷)

روشنی! آہ روشنی کہاں ہے؟ تمنّا کی مشتعل آگ سے اُسے روشن کر، شمع ہے لیکن اُس کا تھر تھرانے والا شعلہ ندارد۔ اُے میرے دل کیا تیرا مقدوم کچھ ایسا ہی ہے! آہ اِس سے کہیں بہتر تو تیری لئے موت ہی تھی۔

ذلت تیرا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے۔ اِس کا پیام یہ ہے کہ "تیرا آقا بیدار ہے اور رات کی تاریکی میں موعودہ مقام ملاقات پر بلاتا ہے" آسمان بادلوں سے گھرا ہوا ہے اور مینہ بند نہیں ہوتا، مجھے نہیں معلوم وہ کیا ہے جو میرے اندر بیتاب ہے، میں اس کا مطلب نہیں سمجھتا۔

ایک لمحہ کا لمعانِ برق اور زیادہ پردۂ تاریکی میری نگاہوں کے سامنے ڈال دیتا ہے اور میرا قلب اُس جگہ کا راستہ ڈھونڈھنے لگتا ہے، جہاں رات کی موسیقی مجھے بُلا رہی ہے۔

روشنی آہ روشنی کہاں ہے؟ تمنا کی مشتعل آگ سے اُسے بیدار کر! بادل گرج رہا ہے، ہَوا خلا میں شور کرتی پھرتی ہے۔ رات سنگ موسیٰ کیطرح سیاہ ہے، اپنے گھنٹے اسی حالتِ تاریکی میں نہ گذرنے دو

اپنی حیات کی شمع محبت روشن کر!

(۲۸)

پھندے استوار ہیں، لیکن میرا دل دُکھتا ہے جب میں اِنکے توڑنے کی کوشش کرتا ہوں۔

میں صرف آزادی چاہتا ہوں، لیکن اس کی آرزو کرتا بھی شرماتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ بے بہا دولت تیرے اندر موجود ہے اور یہ کہ تو میرا بہترین دوست ہے، لیکن مجھ میں اتنا دل نہیں کہ ان نمائشوں کو دور کردوں جو میرے کمرے میں بکھری پڑی ہیں۔

وہ چادر جو مجھے ڈھکے ہوئے ہے۔ خاک و فنا کی چادر ہے اس میں سے نفرت کرتا ہوں، تاہم محبت میں اُسے لپٹائے ہوئے ہوں میرا قرض کثیر ہے۔ میری ناکامیاں عظیم اور میری شرم پوشیدہ و گراں۔ تاہم جب میں اپنی بھلائی مانگنے آتا ہوں، تو اِس خوف سے کانپ اٹھتا ہوں کہ کہیں میری التجائیں قبول نہ ہو جائیں۔

(۲۹)

جسے میں اپنے نام کے ساتھ محصور کئے ہوئے ہوں[۱]۔ اِس زنداں میں رو رہا ہے، ہمیشہ چاروں طرف سے اس دیوار[۲] کے بنانے میں مصروف رہتا ہوں اور جس قدر یہ دیوار آسمان کی طرف بلند ہوتی جاتی ہے۔ اُسی قدر میں اُس کے تاریک سایہ میں اپنے حقیقی وجود کو

---

[۱] یعنی روح یا حیات روحانی [۲] انہماک دنیادی

کونگاہوں سے غائب دیکھتا ہوں۔

میں اِس بلند دیوار پر فخر کرتا ہوں، میں خاک اور ریت سے اُس پر استر کرتا ہوں کہ مبادا اس میں کہیں کوئی رخنہ رہ جائے دیگر، بااینہمہ خبرداری میں اپنے حقیقی وجود کو آنکھوں سے اوجھل پاتا ہوں۔

(۳۰)

موعودہ مقام ملاقات پر آنے کے لئے تمام راستہ میں نے تو تنہا ہی طے کیا۔ لیکن یہ کون ہے[له] جو اس خاموش تاریکی میں میرے ساتھ ساتھ آرہا ہے۔

میں اس سے بچنے کے لئے الگ بیٹھتا ہوں، لیکن نہیں بچ سکتا وہ اپنے خرام نخوت سے زمین کی خاک اُڑا رہا ہے، وہ اپنی بلند آواز میرے ہر ہر لفظ سے ملاتا ہے۔

اَے آقا! وہ خود میرا ہی وجودِ مختصر ہے اُسے تو شرم نہیں آتی لیکن اُس کے ساتھ تیرے دروازے پر جاتے ہوئے مجھے تو شرم آتی ہے۔

(۳۱)

" اے قیدی، مجھ سے بتا وہ کون تھا، جس نے تجھے پابند کردیا؟"

" وہ میرا مالک تھا۔" قیدی نے جواب دیا " میرا خیال تھا کہ میں دولت

---

له خیالِ خودی و خود پرستی ۱۲۔

قوت میں ہر شخص سے بڑھ سکتا ہوں؟ میں نے خزانے میں وہ دولت جمع کر کے رکھی جو مجھے اپنے بادشاہ کو ادا کرنی تھی، جب نیند غالب ہوئی تو میں اپنے مالک کے بستر پر لیٹ گیا۔ جب میں جاگا تو دیکھا تو اپنے ہی خزانے میں محبوس ہوں؟

"اے قیدی مجھے بتا وہ کون تھا جس نے یہ نہ ٹوٹنے والی مستحکم، زنجیر تیار کی"؟

قیدی نے جواب دیا "وہ میں ہی ہوں، جس نے اس زنجیر کو نہایت احتیاط سے تیار کیا۔ میرا خیال تھا کہ ناقابل فتح قوت ساری دنیا کو مقید کرے گی اور صرف مجھی کو غیر منقطع حالت آزادی میں رکھیگی۔

اس بنا پر رات دن کی محنت اور سخت آگ اور ظالمانہ شدید ضربات کی مدد سے میں نے زنجیر تیار کی۔ جب آخر کار کام ختم ہو گیا اور کڑیاں اچھی طرح مضبوط بن گئیں، تو میں نے دیکھا کہ وہ زنجیر مجھی کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے"

(۳۲)

وہ لوگ جو اس دنیا میں مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ اس امر کے ساعی رہتے ہیں کہ مجھے ہر طرف سے مضبوط پکڑے رہیں۔ لیکن تیری محبت کا یہ حال نہیں ہے، حالانکہ وہ اُن سب کی الفت سے زیادہ ہے۔ تو مجھے آزاد رکھتا ہے۔

اس خوف سے کہ کہیں میں اُنھیں بھول نہ جاؤں۔ وہ کبھی مجھے تنہا

چھوڑنے کی جرأت نہیں کرتے، لیکن دن ایک ایک کرکے گذری جاتے ہیں اور تو اب تک نظر نہیں آیا۔ اگرچہ میں تجھے دعاؤں میں نہیں پکارتا ہرچند میں تجھے اپنے قلب میں جگہ نہیں دیتا' تاہم تیری محبت میری محبت کا انتظار کر رہی ہے۔

(۳۳)

دن تھا جب وہ کچھ لوگ، میرے گھر آئے اور کہا کہ ہمیں صرف تھوڑی سی جگہ چاہیئے۔ ہم پرستش خدا میں تمھارا ہاتھ بٹائیں گے اور عجز کے ساتھ صرف اپنا حصہ اُس کے فضل وکرم سے قبول کرلیں گے

اُنھوں نے گوشہ میں ایک جگہ لے لی اور خاموش و سنجیدہ بن کر بیٹھ گئے، لیکن رات کی تاریکی میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ میرے حرم مقدس کے اندر شدت بغاوت کے ساتھ گھسے آتے ہیں اور ناپاک طمع کے ساتھ قربان گاہ سے نذریں چھین لیجاتے ہیں[۱]۔

(۳۴)

صرف اس قدر مختصر حصہ مجھ میں باقی رہنے دے جس سے' اے میرے کُل تجھے پکار سکوں۔

میری آرزو کا صرف اتنا مختصر حصہ باقی رہنے دے جس سے میں تجھی کو ہر طرف محسوس کروں، تجھی کو ہر چیز میں پاؤں اور ہر لمحہ تیرے ہی حضور میں اپنی محبت نذر کردوں

---

[۱] یہ سیاسی نظم ہے

صرف اِس قدر مختصر حصّہ مجھ میں رہنے دے جس سے میں تجھے کبھی نہ چھپا سکوں۔

میری بیڑیوں کا صرف اتنا حصّہ رہ جائے، جس کی وجہ سے میں تیرا ہی پابندِ مرضی رہوں، اور تیرا مقصد میری زندگی میں پورا ہو اور وہ بیڑی تیری محبت کی ہے۔

(۳۵)

جہاں قلب بے خوف اور سر بلند رکھا جاتا ہے۔
جہاں علم آزاد ہے۔
جہاں دنیا تنگ نائی دیواروں (کے جھگڑوں) میں ٹوٹ کر پرزے پرزے نہیں ہو گئی۔
جہاں الفاظ عمقِ صداقت سے نکلتے ہیں۔
جہاں سعیِ مستقل اپنے باز و تکمیل (کار) کی پھیلاتی ہے۔
جہاں عقل کا صاف چشمہ فضول مراسم کے خشک رتیلے جنگل میں اپنا راستہ نہیں بھولا۔
جہاں۔ تو نفس کو دائم الوسع تخیل و عمل کی طرف لے جاتا ہے۔
اے مالک! اُسی فردوسِ آزادی میں میرے ملک کو بیدار کر۔

(۳۶)

اے میرے مالک! تجھ سے میری دعا یہ ہے کہ:۔
میرے قلب کی بنیادِ افلاس کو دور کر دے۔ مجھے قوت دے کہ

اپنے آلام و مسرات کو آسانی کے ساتھ برداشت کرسکوں۔
مجھے قوت دے کہ غریب کو کبھی نظر انداز نہ کروں اور اپنے زانو گستاخ قوت کے سامنے نہ جھکا دوں۔
مجھے قوت دے کہ اپنے نفس کو روزمرہ کے خسائس سے بلند رکھوں!
اور مجھے قوت دے کہ اپنی قوت کو محبت کیساتھ تیری مرضی کے سپرد کروں۔

(۳۷)

میں خیال کرتا تھا کہ میرا سفر قوت کی حدِ آخر پر ختم ہو چکا ہے۔ یہ کہ راستہ سامنے بند ہے۔ زادِ راہ نبٹ چکا ہے اور اب وقت ہے کہ کسی خاموش خلوت میں پناہ لی جائے۔
لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تیری مرضی (قوتِ ارادی) میرے اندر کوئی نہایت نہیں پاتی اور جب پرانے الفاظ زبان پر آتے آتے مردہ ہو جاتے ہیں، تو نئے نغمے قلب سے نکلنے لگتے ہیں، اور جہاں پرانے نشانات مٹ جاتے ہیں، ایک نیا مُلک اپنے عجائبات کے ساتھ ظاہر ہو جاتا ہے۔[1]

(۳۸)

یہ کہ "میں تجھے چاہتا ہوں اور صرف تجھی کو" میرے قلب کو اس کی

[1] مسئلہ تناسخ

تکرارِ بے نہایت کرنے دے۔

تمام آرزوئیں، جو مجھے رات دن پریشان رکھتی ہیں۔ جھوٹی ہیں اور بالکل ہیچ۔

جس طرح رات اپنی تاریکی میں التجائے ضیا پنہاں رکھتی ہے اسیطرح میری بیخبری کے عمق میں یہ آواز گونجا کرتی ہے کہ "میں تجھے چاہتا ہوں اور صرف تجھی کو۔"

جس طرح طوفان جب وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ امن شکن ہوتا ہے۔ اپنی نہایت بھی امن ہی میں تلاش کرتا ہے، اسی طرح انحراف تیری محبت کو صدمہ پہنچاتا ہے اور پھر بھی صدا یہی ہے کہ "میں تجھے چاہتا ہوں اور صرف تجھی کو۔"

(۳۹)

جب میرا قلب سخت و خشک ہوجائے تو میرے اوپر بارشِ رحم ہوکر آ۔

جب حیاتِ محبت کو کھو بیٹھے۔ تو بقعۂ نغمہ بن کر آ۔

جب مشاغلِ ہنگامہ زا اپنا شور چاروں طرف بلند کریں اور مجھے باہر نکال دیں تو اے میرے مالکِ سکوت! تو اپنے سکون و آرام کے ساتھ آ!

جب میرا گدائے دل ایک گوشۂ زندان میں دبک کر بیٹھنے لگے تو اے میرے بادشاہ دروازہ توڑ کر آ اور شاہانہ شان و شوکت سے آ۔

جب آرزو میرے قلب کو اوہامِ باطلہ اور اپنے غبار سے اندھا کر دے! اے تو تنہا پاک! اے تو تنہا بیدار اپنی روشنی اور گرج کے ساتھ آ!

(۴۰)

اے میرے خدا! مدتیں گذریں کہ میرا دلِ تشنہ کام بارانِ رحمت کو ترس رہا ہے۔ اُفقِ (اوّل) خوفناک طریقہ سے عریاں ہے نرم بادل کی باریک سی چادر بھی نہیں۔ دُور کی ٹھنڈی بوچھاڑ کا آوارہ سے آوارہ اشارہ بھی نہیں۔

مَوت کی طرح خوفناک ایک برہم طوفان بھیج، اگر تیرا جی چاہے اور بجلی کے چابک سے آسمان کو یہاں [illegible] وہاں تک تڑپا کر رکھ دے!

لیکن بُلالے! اے [illegible] بُلالے، اس پھیلی ہوئی خاموش گرمی۔ ساکت تیر[illegible] ظالم گرمی۔ قلب کو خوفناک مایوسی سے بھون ڈالنے والی گرمی کو۔

تیرے لُطف و محبت کے بادل اوپر سے نیچے کی طرف اس [illegible]جیں، جس طرح باپ کے غصہ ہونے کے وقت ماں کی پُرنم نگاہ جھک جاتی ہے۔[1]

(۴۱)

اپنے کو سایہ میں چھپائے ہوئے ! [illegible] میرے پیارے، تُو کہاں، اُن سب کے پیچھے کھڑا ہے؟ وہ تجھے دھکا دیتے ہیں تیرے پاس

[1] گرمی وغیرہ کا بیان، اشارہ ہے حالتِ فراق کی طرف۔

سے خاک آلودہ سڑک پر ہوتے ہوئے گذر جاتے ہیں[1] اور تیرا کچھ خیال نہیں کرتے ہیں یہاں کتنے تھکے ہوئے گھٹنوں سے تیرے لئے اپنی نظریں پھیلائے تیرا انتظار کر رہی ہوں، راستہ چلنے والے آتے ہیں اور ایک ایک کر کے میرے پھول لئے جا رہے ہیں، یہاں تک کہ ٹوکری قریب قریب خالی ہو گئی ہے۔

صبح کا وقت گذر گیا ہے اور دوپہر کا بھی۔ شام کے سایہ میں میری آنکھیں نیند کی وجہ سے جھکی پڑتی ہیں، لوگ گھر جاتے ہوئے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں۔ میں بھکاری کی لڑکی کی طرح منہ پر آنچل ڈالے بیٹھی ہوں اور جب وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ میں کیا چاہتی ہوں، تو میں آنکھیں جھکا کر رہ جاتی ہوں اور انھیں کوئی جواب نہیں دیتی۔

اور آہ! حقیقتاً میں اُن سے کہہ بھی کیسے سکتی ہوں کہ مجھے تیرا انتظار ہے۔ تو نے آنے کا وعدہ کیا ہے، میں شرم سے کیونکر کہہ سکتی کہ میں تو جہیز (میں دینے) کے لئے صرف یہ غربت رکھتی ہوں، آہ میں اس نخوت کو اپنے نہاں خانۂ دل میں چھپائے ہوئے ہوں۔

میں گھاس پر بیٹھی ہوں، آسمان کی طرف نگاہ ہے اور تیری آمد کی اچانک شان و شوکت کا خواب دیکھ رہی ہوں کہ:۔

---

[1] مشاغلِ دنیا میں تگ و دو کرنے والے۔

وہ تمام روشنیا جگمگا رہی ہیں، وہ تیرے رتھ کے اوپر زریں پرچم لہرا رہے ہیں۔ وہ سب لوگ متحیر کھڑے دیکھ رہے ہیں کہ تو اپنی نشستگاہ سے اتر کر میری طرف آتا ہے۔ مجھے زمین سے اٹھانے کے لیے اپنے پہلو میں ایسی شکستہ حال لڑکی کو جگہ دینے کے لیے جو شرم و نخوت سے اس طرح کانپ رہی ہے جیسے نسیم سے کوئی بیل ہے۔

لیکن وقت گذرتا جاتا ہے اور اس وقت تک تیرے رتھ کے پہیوں کی آواز نہیں! بہت سے جلوس شور و شغب کے ساتھ شان و شوکت سے گذر جاتے ہیں، کیا تو ہی صرف وہ ہے جو سایہ میں خاموش سب سے پیچھے کھڑا رہے گا؟ اور کیا میں ہی صرف وہ ہوں جو انتظار میں رویا کروں گی اور ناکام تمناؤں سے اپنے تئیں خستہ و دلریش رکھوں گی؟

(۴۲)

بہت تڑکے یہ سن گن لگی تھی کہ ہم کشتی میں سوار ہو کر جائیں گے، صرف تو اور میں۔ اور دنیا کا کوئی شخص اس لانہایت و بلاتخصیص مقام سفر عبادت کا حال نہ جانے گا۔

اس بحرِ ناپیدا کنار میں تیرے تبسمِ خاموش کے سامنے جو سراپا توجہ ہے۔ میرے گیت لحن و نغمہ ہو جائیں گے، لہروں کی طرح آزاد الفاظ کی تمام پابندیوں سے آزاد۔

کیا ابھی وقت نہیں آیا؟ کیا ابھی کام کرنا ہے؟ لو، شام ساحل

پر آگئی اور دھندلی روشنی میں چڑیاں اپنے اپنے آشیانوں میں اُڑاُڑ کر آنے لگیں۔

کسے خبر ہے یہ زنجیریں کب الگ ہوں گی اور کشتی غروب آفتاب کی آخری شعاع کی طرح کب رات کے اندر غائب ہو جائیگی[1]

(۴۳)

وہ بھی ایک دن تھا، جب میں تیرے لئے اپنے تئیں تیار نہ رکھ سکی اور تو نے، اے میرے بادشاہ مجمع عام کے ایک معمولی آدمی کی طرح بغیر کہے ہوئے۔ بلا میرے علم کے۔ دل کے اندر سما کے میری زندگی کے بہت سے فانی لمحات پر مُہر دوام ثبت کر دی۔

اور آج جب اتفاقاً میں اُن لمحات، پر روشنی ڈالتی ہوں، تیرے نقوش دیکھتی ہوں، تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لمحات میرے بھولے ہوئے ایام زبوں کے مسرات و آلام کی یاد کے ساتھ خاک میں ملے ہوئے پڑے ہیں۔ خاک میں میرے طفلانہ لہو و لعب کو دیکھ کر تو نفرت و حقارت سے واپس نہیں گیا۔ اور وہ قدم جن کی آوازیں نے اپنے گھروندے میں سُنی تھی۔ وہی ہیں جو ایک ستارے سے دوسرے ستارے تک آواز باز گشت

---

[1] اِس نظم میں وہ ظاہر کرتا ہے کہ میں نے اپنی عمر اسی لطیف انتظار میں کاٹ دی کہ کب میری روح جسم سے جُدا ہو کر اپنے خیر اصلی (وجود باری) سے ملکر مسرور ہو، لیکن خدا جانے وہ وقت کب آئیگا کہ یہ میری آرزو پوری ہوگی۔

پیدا کر رہے ہیں[۱]

(۴۴)

میری مسرت اسی میں ہے کہ یونہی تیرا انتظار کیا کروں اور اُس راہ
راہ کو تکتی رہوں، جہاں سایہ روشنی کا تعاقب کرتا ہے اور جہاں مینہ
گرمی کی بیداری میں آتا ہے۔

قاصد بے جانے بوجھے آسمانوں سے خبریں لے کر آتے ہیں تہنیت
پیش کرتے ہیں اور سڑک پر ہو لیتے ہیں، میرا جی اندر سے خوش ہے اور
گذرنے والی نسیم کی سانس شیریں۔

صبح سے شام تک میں اپنے دروازے پر بیٹھی رہتی ہوں اور جانتی
ہوں کہ خوشی کی گھڑی حالت انتظار میں اچانک آ جائیگی۔

اسی اثنا میں مسکرا پڑتی ہوں اور اکیلی گانے لگتی ہوں کہ ہوا (کسی
کے) بوئے پیماں سے مجھے لبریز کر دیتی ہے[۲]

(۴۵)

کیا تم نے اُس کی خاموش آوازِ قدم نہیں سُنی ؟
وہ آتا ہے۔ آتا ہے۔ اور ہمیشہ آتا ہے۔
ہر لمحہ اور ہر عمر میں۔ ہر دن اور ہر رات وہ آتا ہے۔ اور ہمیشہ آتا ہے۔

---

[۱] یعنی لطفِ باری جسطرح مدد حیات میں کارفرما تھا اسی طرح انتہائے حیات میں بھی ہے۔

[۲] لطفِ وصال میں غرق ہونیکی آرزو پوری ہوتی ہے اور مفارقت جسم و روح اسکا ذریعہ ہے۔

میں نے بہت سے گیت مختلف کیفیاتِ قلب میں گائے اُن کا لحن ہمیشہ یہی رہا کہ وہ آتا ہے اور ہمیشہ یہی رہا کہ وہ آتا ہے اور ہمیشہ آتا ہے۔

گرم اپریل کے معطر ایام میں جنگل کے راستے سے وہ آتا ہے اور ہمیشہ آتا ہے۔

شبہائے جولائی کی باران تاریکی میں، بادلوں کے گرجنے والی رتھ پر وہ آتا ہے اور ہمیشہ آتا ہے۔

تواترِ الم کی حالت، اُسی کے قدم ہیں جو میرے دل کے اندر گڑ جاتے ہیں اور اُسی کے قدموں کا زریں مَس ہے جو میری مسرتوں کو درخشاں بنا دیتا ہے۔

(۴۶)

نہیں معلوم کتنی مدت سے تو ہمیشہ مجھ سے ملنے کے لیے قریب بڑھتا چلا آتا ہے۔ تیرا آفتاب تیرے تارے میری نگاہوں سے تجھے پوشیدہ نہیں رکھ سکتے۔

کتنی صبح و شام تیرے قدموں کی آواز سُنی گئی، تیرا قاصد میرے خانۂ دل میں آیا اور مجھے چپکے سے بُلایا۔

خبر نہیں آج، آج میری زندگی کیوں اس قدر بیتاب و متحرک سی ہے کیوں ایک مسرتِ مرتعش کا حس قلب کے اندر تیرا جاتا ہے۔

اب گویا وقت آگیا ہے کہ اپنے سب کام ترک کر کے رکھ دوں (کیونکہ) میں ہوا میں تیرے ہونے کی ایک لطیف خوشبو محسوس کر رہی ہوں'

(۴۵)

رات قریب قریب اُس کے انتظار میں بے کار صرف ہو گئی، مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ صبح کو اچانک میرے دروازے پر آجائے اور میں تھک کر غافل، پڑی سو رہی ہوں، آہ دوستو! اس کے لئے راستہ کھلا رہنے دو، اُسے نہ روکو۔

اگر اُس کے قدموں کی آواز مجھے نہ جگائے، تو مجھے بیدار کرنے کی کوشش نہ کرو، میں التجا کرتی ہوں، میں یہ نہیں چاہتی کہ چڑیوں کا شور نغمہ یا ضیاء صباحی کے جشن میں ہَوا کا ہنگامہ مجھے نیند سے جگائے مجھے اطمینان سے سونے دو اُس وقت بھی جب میرا آقا ناگہاں دروازے پر آجائے۔

آہ! میری نیند، میری قیمتی نیند۔ جو غائب ہونے کے لئے صرف اُس سے چھو جانے کا انتظار کر رہی ہے، آہ میری بند آنکھیں جن کے پپوٹے صرف اُسی کے ضیاء تبسم میں کُھلیں گے جب نیند کی تاریکی سے پیدا ہونے والے خواب کی طرح وہ میرے سامنے آکھڑا ہوگا۔

تمام روشنیوں، تمام صورتوں سے پہلے اسی کو میری نگاہوں کے سامنے ظاہر ہونے دو میری بیدار روح کا اولین رعشۂ مسرت اُسی کے نظارہ سے حاصل ہو، اور میرا اپنے آپ میں آنا فوراً اُسی کے پاس واپس جانا ہو۔

(۴۸)

صبح کا بحرِ خموشی طیور کی ننھی ننھی امواجِ نغمہ میں تبدیل ہوگیا تھا۔ پھول کنارِ راہ میں مسرور نظر آتے تھے اور دولتِ زر بادلوں کے شگافوں میں پھیلی پڑی تھی۔ جب ہم حالتِ انہماک میں اپنا راستہ طے کر رہے تھے، اور (ان مناظر کی) کچھ پرواہ نہ تھی۔

نہ ہمنے کوئی ترانۂ مسرت گایا، نہ کوئی کھیل کھیلے، نہ گانوں میں ہم خرید و فروخت کرنے کے گئے، نہ ہم نے کوئی لفظ مُنہ سے نکالا اور نہ مسکرائے ہم نے راستہ میں قیام نہیں کیا (بلکہ) اپنے قدم اور تیز کرتے گئے جوں جوں وقت گذرتا گیا۔

آفتاب نصف آسمان تک اونچا ہوگیا۔ فاختہ سایہ میں بولنے لگی۔ خشک پتیاں دوپہر کی گرم ہوا میں اُڑنے لگیں۔ چرواہے کا لڑکا، برگد کے نیچے اونگھ اونگھ کر سو گیا، میں پانی کے پاس لیٹ گیا اور اپنے تھکے ہوئے اعضا گھاس پر پھیلا دیئے۔

میرے ساتھی مجھ پر حقارت سے ہنسے، انھوں نے اظہارِ نخوت کیا اور چلے گئے، نہ اُنھوں نے پیچھے مُڑ کے دیکھا اور نہ آرام کیا، وہ دور کے نیلگوں دھندلکے میں غائب ہو گئے، اُنھوں نے کتنے مرغزار طے کئے اور کتنی پہاڑیاں، وہ عجیب و غریب دور دراز ملکوں میں ہو کر گذر گئے۔

اے غیر متناہی راستے کو طے کرنے والے بہادروں کے گروہ! ساری عزت تیرے ہی لئے ہے!

نکوہش و ملامت نے مجھے چٹکیاں لے لے کر اُٹھایا۔ لیکن مجھ سے کوئی جواب نہ بایا۔ اک عجز مسرور کے عمق میں۔ ایک دُھندلی مسرت کے سایہ میں، میں نے اپنے تئیں کھویا ہوا سمجھ لیا۔

سبز تاریک سکون سایہ، جس پر آفتاب نے زرکاری[1] کی تھی، میرے قلب پر آہستہ آہستہ پھیلا۔ میں بھول گیا کہ میں نے یہ سفر کیوں اختیار کیا تھا میں نے اپنے ہمنفس کو بغیر کسی کوشش کے گیتوں اور سایہ کے جال میں ڈال دیا۔

آخرکار جب میں نیند سے چونکا اور اپنی آنکھیں کھولیں تو میں نے دیکھا کہ تو پاس کھڑا ہے اور میری نیند میں اپنے تبسّم سے ایک سیلاب برپا کر رہا ہے، میں خائف تھا کہ راستہ طویل ہے اور تھکا دینے والا تجھ تک پہنچنے کی کوشش کتنی دشوار!

(۴۹)

توؔ اپنے تخت سے اُترا اور میرے جھونپڑے کے دروازے پر آکر کھڑا ہو گیا۔

میں اپنے ایک کونہ میں دبیٹھی ہوئی، اکیلی گا رہی تھی۔ میری نغموں نے تیرے کانوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ تو آیا اور میرے جھونپڑے کے دروازے پر آکر کھڑا ہو گیا۔

---

[1] غالباً اس سے مراد وہ امید کی جھلک ہے جو حالت یاس میں نظر آجائے ۱۲

تیری بارگاہ میں بہت سے اُستاد جمع ہیں اور وہاں ہر وقت گانا ہی ہوا کرتا ہے، لیکن وہ گانا جس نے تیری محبت کو متاثر کیا، اسی اناڑی کا سادہ گانا تھا، ایک دلگداز محض مختصر دنیا کی عظیم موسیقی سے ملا ہوا۔ انعام دینے کے لئے تو ایک پھول لے کر آیا اور میرے جھونپڑے کے دروازے پر آکر کھڑا ہو گیا۔

(۵۰)

میں دروازے دروازے بھیک مانگنے گاؤں کے راستے میں جا رہی تھی، جب تیرا سنہرا رتھ چمکدار خواب کی طرح دور فاصلہ پر نظر آیا۔ میں متحیر رہ گئی کہ یہ کون بادشاہوں کا بادشاہ ہے!

میری اُمیدیں بلند ہوئیں اور میں نے خیال کیا کہ میرے بُرے دن اب ختم ہو گئے ہیں، میں اِس انتظار میں کھڑی ہو گئی کہ اب بلا سوال بھیک ملے گی اور دولت چاروں طرف خاک میں بکھر جائے گی۔

گاڑی کھڑی ہو گئی، جہاں میں کھڑی تھی، تو نے مجھے دیکھا اور مُسکراتا ہوا نیچے اُتر آیا، میں نے ایسا محسوس کیا گویا حیات کا لمحۂ خوش کامی آخر کار آ گیا ہے، ناگہاں تو نے اپنا دا ہنا ہاتھ بڑھایا۔ اور پوچھا کہ "میرے دینے کے لئے تیرے پاس کیا ہے۔؟"

آہ! یہ بھی کیا شاہانہ مذاق تھا کہ تو نے اپنا ہاتھ ایک بھکاری کے سامنے بھیک کے لئے پھیلا دیا۔ میں گھبرا گئی، پریشان ہو گئی، پھر میں نے

اپنی جھولی سے آہستہ آہستہ چھوٹا سا حقیر دانہ غلہ کا نکالا اور مجھے دیدیا لیکن میری حیرت کتنی بڑھی ہوئی تھی، جب شام کو میں نے اپنی جھولی فرش پر خالی کی[1] اور اس ذلیل ڈھیر میں ایک دانۂ زر میں نے پایا۔ میں پھوٹ پھوٹ کر روئی اور یہ جی چاہا کہ میرے پاس دل ہوتا کہ اپنا سب کچھ میں تجھے دے دیتی۔

(۵۱)

رات تاریک ہو گئی تھی۔ ہمارے دن کے سب کام ختم ہو چکے تھے۔ ہم نے خیال کیا کہ رات کا آخری مہمان بھی آچکا ہے، اور گاؤں کے دروازے بند ہو چکے ہیں، مصرف بعض کا قول تھا کہ بادشاہ آنے والا ہے۔ ہم ہنستے تھے اور کہتے تھے "نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔"

یہ معلوم ہوا کہ کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے، ہم نے کہا کچھ نہیں ہوا ہے۔ شمعیں گل کر دیں اور سونے کو لیٹ گئے، بعض نے کہا "کوئی پیام بر ہے"، ہم نے قہقہہ مارا اور کہا "نہیں یہ ہوا ہوگی۔"

آدھی رات کو ایک آواز آئی۔ ہم نے نیند میں خیال کیا کہ وہ دور کی گرج ہوگی، زمین ہلی، دیواریں ہلیں اور ہماری نیند میں کہا "نہیں یہ بادلوں کی گھڑگھڑاہٹ ہوگی۔"

رات ہنوز تیرہ و تار تھی کہ ڈھول بجا اور آواز آئی کہ جاگو، دیر نہ کرو۔"

---

[1] روح اپنی سونپ دی ۱۲ [2] نتیجۂ محبت و عشق ۱۲

ہم نے اپنا ہاتھ دل پر رکھا اور کانپ اُٹھے، بعض نے کہا: "لو، وہ ہے بادشاہ کا پرچم!" ہم کھڑے ہو گئے اور چلّا اُٹھے۔ کہ "اب تاخیر کا موقع بالکل نہیں ہے!"

بادشاہ آگیا ہے، لیکن روشنی کہاں ہے، ہار کہاں ہیں، اُس کو بٹھانے کے لئے تخت کہاں ہے؟ شرم! شرم کہاں ہے! کمرہ، کہاں ہیں، اس کی زیبائشیں؟ کسی نے کہا: "یہ شور فضول ہے! خالی ہاتھوں اُس کا خیر مقدم کرو اُنھیں اُجڑے ہوئے کمروں میں اُسے اُتار لاؤ۔"

دروازے کھولو! ناقوس بجاؤ! رات کی تاریکی، عمق میں ہمارے تیرہ و تار سنسان گھروں کا بادشاہ آگیا ہے، بادل آسمان میں گرج رہے ہیں۔ تاریکی بجلی کی وجہ سے کانپ رہی ہے۔ اپنا بوسیدہ چٹائی کا ٹکڑا لے آ۔ اور اسی کو صحن میں بچھا دے، طوفان کے ساتھ ہماری مہیب رات کا بادشاہ ناگہاں آگیا ہے۔

(۵۲)

میرا خیال تھا کہ میں تجھ سے وہ گلاب کا ہار مانگوں گی۔ جو تیری گردن میں ہے، لیکن ہمت نہ ہوئی بالآخر میں صبح کی منتظر رہی کہ جب تو جانے لگے گا تو بستر پر جو چند اجزا اس کے رہ جائیں گے لے لونگی۔

ایک بھکارن کی طرح میں نے صبح کو تلاش کی کہ ایک یا دو ہی باقی ماندہ پریشان پنکھڑیاں مل جائیں۔

نہ مجھے کیا ملا؟ تیری محبت کی کونسی نشانی میں نے پائی؟ وہ پھول ہے نہ کوئی خوشبو کا مسالحہ۔ اور نہ کوئی عطر کا ظرف۔ وہ تیری زبردست تلوار ہے شعلہ کی طرح چمکدار۔ گرج کی طرح وزنی صبح کی نئی نئی روشنی کھڑکی کے اندر سے ہوکر آتی ہے تیرے بستر پر اپنے تئیں پھیلاتی ہے۔ صبح کو چڑیا چہکتی ہے اور سوال کرتی ہے

"اے عورت تیرے پاس کیا ہے"! نہ وہ پھول ہے، نہ خوشبودار مسالہ اور نہ کوئی عطر کا ظرف۔ وہ تیری خوفناک تلوار ہے۔

میں بیٹھی ہوئی اور حیرت سے سوچ رہی ہوں کہ "تیرا یہ کیا انعام ہے"؟ مجھے کوئی جگہ نہیں ملتی کہ اسے چھپاؤں، اُسے پہنتے میں شرماتی ہوں، کیونکہ میں کمزور ہوں جب سینہ سے لگاتی ہوں، تو وہ زخمی کردیتی ہے تاہم میں تیرے اس لطف اس بارِ درد کی عزت کو اپنے قلب کے اندر برداشت کرونگی۔

اب اس دنیا میں میرے لئے کوئی خوف کی بات نہیں ہے تو میری تمام کوششوں میں فتحیاب ہوگا۔ تو نے میرا ساتھی صرف موت کو چھوڑا ہے۔ میں اپنی حیات کا تاج اُسے پہناؤں گی تیری تلوار پابندیاں قطع کرنے کے لئے میرے پاس ہے اور اب دنیا میں میرے لئے کوئی خوف کی بات نہیں۔

اب میں حقیر آرائشیں ترک کردونگی۔ اے میرے دل کے مالک نہ میں اب کسی کا انتظار کرونگی اور نہ کونے میں چھپ کر رویا کرونگی، نہ میرے

انداز میں اب سنگھ میلا بن رہے گا اور نہ شیرینی۔ تو نے میرے سنگار کے لیئے تلوار دی ہے اب گڑیوں کی سی آرائش میرے لیئے زیبا نہیں۔

(۵۳)

خوبصورت ہے ستاروں سے آراستہ، مختلف رنگ کے جواہرات سے جڑا ہوا تیرا کنگن، لیکن میرے لیئے تو اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے۔ تیری تلوار۔ محترم طائرِ وشنو کے پھیلے ہوئے بازو کیطرح بجلی کا سا خم رکھنے والی تلوار۔ غروب آفتاب کی غصہ ناک سرخ روشنی پوری طرح تلی ہوئی تلوار۔

وہ کانپتی ہے جیسے موت کے فیصلے کن ضرب پر شدت درد میں زندگی کا آخری جواب! وہ چمکتی ہے جیسے ایک خوفناک چمک کیساتھ دنیاوی حس کا جلا دینے والا پاک شعلہ ہستی۔

خوبصورت ہے تاروں جیسے جواہرات سے مزین تیرا کنگن، لیکن تیری تلوار (کی ساخت) میں۔ اسے گرج کے مالک کمال حُسن صرف ہوا ہے، جو بصارت وتخیل (دونوں) کے نزدیک مہیب ہے۔

(۵۴)

میں نے تجھ سے کچھ نہیں مانگا۔ میں نے تو تجھے اپنا نام بھی نہیں بتایا۔ جب تو رخصت ہونے لگا تو میں خاموش کھڑی تھی۔ میں اُس کنوئیں کے پاس تنہا تھی جہاں درخت کا سایہ ترچھا پڑ رہا تھا۔ اور

عورتیں اپنے گھڑے منہ تک بھرے ہوئے گھر چلی جا رہی تھیں۔ انھوں نے مجھے بلایا اور کہا کہ "ہمارے ساتھ آ" دوپہر ہوئی جاتی ہے۔" لیکن میں کاہلی سے اپنے آوارہ تخیلات میں کھوئی ہوئی وہیں کھڑی رہی۔

جب تو آیا تو میں نے تیری آواز قدم نہیں سُنی جب تیری نگاہیں مجھ پر پڑیں تو وہ غم آلود تھیں، تیری آواز جب تو نے مجھ سے چپکے چپکے باتیں کیں تھکی ہوئی تھی کہ "آہ! میں ایک پیاسا مسافر ہوں۔"

میں اپنے خواب روز سے چونک پڑی اور میں نے اپنے گھڑے سے تیری جڑی ہتھیلیوں پر پانی ڈالا۔ پتیاں سر کے اوپر سرسرا رہی تھیں، کوئل کی کوک غیر مرئی تاریکی سے۔ اور بابلا کے پھولوں کی خوشبو سڑک کے موڑ سے آ رہی تھی۔

میں شرم سے خاموش کھڑی رہ گئی۔ جب تو نے میرا نام پوچھا واقعی میں نے تیرے لئے ایسا کیا کیا۔ کہ تو مجھے یاد رکھتا؟ لیکن یہ یاد کہ میں تیری پیاس بجھانے کے لئے تجھے پانی دے سکی۔ میرے دل کے ساتھ لگی رہے گی۔ اور شیرینی کے ساتھ اُسے لپٹائے رہے گی۔

صبح ہوئے دیر ہو گئی۔ چڑیاں تھکے ہوئے سُروں میں گانے لگیں نیم کی پتیوں میں سر کے اوپر سرسراہٹ پیدا ہو گئی اور میں بیٹھی ہوئی ابتک اُسی سوچ میں پڑی ہوئی ہوں۔

۵۵

تیرے قلب پر افسردگی طاری ہے اور تیری آنکھیں اب بھی خواب آلود ہیں۔

کیا تیرے پاس یہ خبر نہیں آئی کہ پھول کانٹوں کے درمیان کس شان سے حکومت کررہا ہے؟ جاگ، جاگ۔ وقت کو بے کار نہ جانے دے!

اِس راہِ سنگین کے اختتام پر ایک اچھوتی تنہائی کے مُلک میں میرا محبوب تنہا بیٹھا ہوا ہے، اُسے دھوکا نہ دے۔ جاگ اُٹھ جاگ۔

کیا ہے اگر آسمان ہانپتا ہے اور دوپہر کی حدت آفتاب سے ہانپ رہا ہے کیا ہے اگر جلتی ہوئی ریت اپنی پیاس کی چادر پھیلا رہی ہے۔

کیا تیرے عمیق دل میں کوئی مسرت نہیں ہے؟ کیا تیرے ہر قدم پر سازِ آہِ درد کے نغمہ شیریں میں تبدیل نہ ہو جائیگا۔

( ۵۶ )

کچھ ایسا ہی ہے کہ تیری مسرت مجھ میں اِس قدر بھری پڑی ہے کچھ ایسا ہی ہے کہ تو میرے پاس اُتر کر آیا ہے۔ اے آسمانوں کے مالک تیری محبت کہاں ہوتی، اگر میں نہ ہوتی۔

تو نے مجھے اِس دولت میں اپنا شریک بنا لیا ہے۔ میرے قلب

میں تیری مسرت کی غیر متناہی اٹھکھیلیاں پائی جاتی ہیں۔

تیری مرضی میری حیات کے اندر ہمیشہ مختلف صورتیں اختیار کرتی رہتی ہے۔

اور اسی غرض سے تو نے اے بادشاہوں کے بادشاہ میرے دل کو اسیر کرنے کے لئے اپنے تئیں اس حسن و جمال سے آراستہ کیا ہے اور اسی غرض سے تیری محبت اپنے تئیں..... چاہنے والے کی محبت میں کھو دیتی ہے اور پھر وہاں دونوں کے اتحاد مکمل میں نظر آتا ہے۔

(۵۷)

روشنی۔ میری روشنی۔ دنیا کو معمور کر دینے والی روشنی!
آنکھیں چومنے والی روشنی۔ دل کو شیر بنا دینے والی روشنی!

اے میرے پیارے، روشنی میرے مرکز حیات پر رقص کرتی ہے۔

اے محبوب روشنی میرے سازِ محبت کے تاروں کو مرتعش کر دیتی ہے، آسمان کھل جاتا ہے، ہوا وحشت سے چلنے لگتی ہے اور ہنسی تمام عالم میں پھیل کر رہ جاتی ہے۔

تیتریاں اپنا بادبان روشنی کے سمندر پر پھیلا دیتی ہیں کنول اور یاسمین امواجِ ضیا کی چوٹی پر لہرانے لگتے ہیں، اے پیارے روشنی بادلوں میں ٹکڑے ہو، ہو کر سونا بن جاتی ہے اور کثرت سے

جواہر پاشں۔

مسرت! اے پیارے۔ پتیوں، پتیوں پھیل جاتی ہے اور خوشی کا کوئی اندازہ نہیں رہتا۔ چشمۂ فردوس کا ساحل ڈوب گیا اور سیلابِ شادمانی ہر جگہ پھیل کر رہ گیا ہے۔

(۵۸)

تمام فشارہائے مسرت کو میرے نغمۂ آخریں میں مل جانے دے جو ہنگامہ زا افراطِ سبزہ کی صورت میں زمین پر بہ نکلتی ہے وہ مسرت جو توأم زاد موت و زندگی کو دنیا میں نچائے نچائے پھرتی ہے۔ وہ مسرت جو طوفان کی طرح آکر دہلائے، حیات کو متزلزل کر کے رکھ دیتی ہے اور بیداری خندہ بخشتی ہے۔ وہ مسرت جو وقت گذارے سُرخ کھلے ہوئے کنول پر خاموش با چشم پرنم بیٹھی رہتی ہے اور وہ مسرت جو تمام دیگر موجودات سے بے نیاز کر دیتی ہے اور کوئی لفظ نہیں جانتی۔

(۵۹)

ہاں! میں جانتا ہوں۔ یہ کچھ نہیں ہے۔ لیکن تیری محبت اے میرے محبوبِ قلب یہ زریں روشنی جو پتیوں پر رقص کرتی ہے یہ آسمان میں تیرنے والے مضمحل سے بادل۔ یہ گذرنے والی نسیم جو میری پیشانی پر خنکی چھوڑ جاتی ہے۔

صبح کی روشنی نے میری آنکھوں میں طوفان برپا کر رکھا ہے

یہی ہے تیرا پیام میرے دل کے لئے، تیرا چہرہ نیچے کی جانب مائل ہے، تیری آنکھیں میری آنکھوں کو جھکی ہوئی دیکھ رہی ہیں اور میرے قلب نے تیرے قدموں کو چھو لیا ہے۔

(۶۰)

بیشمار اقطاع عالم کے ساحل بحر پر لڑکے جمع ہوتے ہیں۔ غیر محدود آسمان سر کے اوپر بے حرکت ہے اور مضطرب پانی طوفانی۔ بے شمار اقطاع عالم کے ساحل بحر پر لڑکے شور کرتے ہوئے، ناچتے ہوئے جمع ہوتے ہیں۔

وہ ریت کے مکانات بناتے ہیں۔ خالی کوڑیوں سے کھیلتے ہیں مرجھائی ہوئی پتیوں سے وہ اپنی کشتیاں بناتے ہیں اور مسکراتے ہوئے اس وسیع و عمیق سمندر میں تیرا دیتے ہیں۔ بچے دنیا کے ساحل بحر پر یونہی مشغلۂ لہو و لعب جاری رکھتے ہیں۔

وہ نہیں جانتے تیرنا کیا ہے۔ انہیں نہیں معلوم جال کیونکر ڈالا جاتا ہے۔ سیپیاں جمع کرنے والے موتیوں کے لیئے غوطہ لگایا کرتے ہیں، تاجر اپنے جہازوں میں سفر کیا کرتے ہیں لیکن بچے تو ہمیشہ سنگریزے ہی جمع کرتے ہیں اور انھیں کو منتشر کردیا کرتے ہیں۔

نہ انھیں پوشیدہ خزانوں کی تلاش ہے اور نہ وہ جال ڈالنا جانتے ہیں۔

سمندر ہنسکر لہریں لیتا ہے اور ساحل پر اپنی زرد شعاعیں پھیلاتا ہے۔ فنا کار لہریں بے معنی نظمیں بچوں کو سنایا کرتی ہیں جیسے ماں پالنا ہلاتے وقت سمند بچوں کے ساتھ کھیلتا ہے اور ساحل پر اپنی زرد شعاعیں دکھایا کرتا ہے۔

بے شمار اقطاع عالم کے ساحلِ بحر پر بچے جمع ہوتے ہیں۔ طوفان بے راہ آسمان میں گھومتا پھرتا ہے۔ جہاز بے راہ پانی میں تباہ ہوا کرتے ہیں۔ موت پھیلی ہوئی ہے اور بچے کھیل رہے ہیں۔ بیشمار اقطاع عالم کے ساحلِ بحر پر بچوں کا بڑا مجمع ہے۔

(۶۱)

نیند جو بچے کی آنکھوں میں آتی ہے، کیا کوئی جانتا ہے وہ کہاں سے آتی ہے؟ ہاں، یہ افواہ ہے کہ پریوں کا ایک مسکن ہے اور وہیں سایۂ صحرا میں جو جگنو کی روشنی سے کچھ کچھ جھلک رہا ہے وہ نازک کلیاں جادو کی لٹک رہی ہیں۔ وہیں نیند کا قیام گاہ ہے، اور وہیں سے وہ بچے کی آنکھیں چومنے آتی ہے۔

تبسّم جو سوتے ہوئے بچے کے ہونٹوں پر لہریں سی لیا کرتا ہے کیا کوئی جانتا ہے وہ کہاں پیدا ہوا تھا؟ ہاں یہ افواہ ہے کہ ہلال کی نئی زرد شعاع نے ایک غائب ہونے والے موسم خزاں کے بادل کا کنارا چھوا، اور یہ تبسّم جو سوتے میں بچوں کے ہونٹوں پر لہرایا کرتا ہے۔

یہ نرم وشیریں تازگی جو بچے کے اعضا شگفتہ نظر آتی ہے کیا کوئی جانتا ہے، وہ اتنے عرصہ تک کہاں چھپی رہی؟ ہاں جب اسکی ماں جوان لڑکی تھی تو وہ نازک وخاموش رازِ محبت کی صورت میں اُس کے قلب کے اندر پھیلی ہوئی تھی۔ وہ نرم وشیریں تازگی جو بچے کے اعضا میں شگفتہ ہے۔

(۶۲)

اے میرے بچے جب میں تیرے پاس رنگین کھلونے لاتی ہوں تب میں سمجھتی ہوں کہ اپنی پر بادلوں پر رنگ کی اٹھکھیلیاں ایسی کیوں ہیں اور پھولوں پر رنگ افشانیاں کیسی ہیں جب ای میرے بچے میں تیرے لئے رنگین کھلونے لاتی ہوں۔

جب میں تجھے نچانے کُدانے کے لئے گاتی ہوں، تب حقیقتاً میری سمجھ میں آتا ہے کہ پتیوں میں کیوں اس قدر موسیقی ہے اور لہریں کیوں اپنا آہنگِ صدا اِس متوجہ دنیا کے قلب تک پہنچایا کرتی ہیں جب میں تجھے نچانے کُدانے کے لئے گاتی ہوں۔

جب میں تیرے طامع ہاتھوں کی طرف مٹھائیاں لے جاتی ہوں اس وقت میری سمجھ میں آتا ہے کہ ساغرِ گل میں یہ شہد کیوں ہے اور پھل کیوں پوشیدہ طور سے شیریں عرق سے لبریز ہے جب میں تیرے طامع ہاتھوں کی طرف مٹھائیاں لیجاتی ہوں۔

جب میں ہنسانے کے لئے تیرا منہ چومتی ہوں، اُس وقت

یقین کے ساتھ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ مسرت کیا ہے جو آسمان سے ضیار صباحی میں بہتی نظر آتی ہے اور وہ خوشی کیا ہے جو نسیم بہار میرے جسم تک لاتی ہے، جب میں تجھے ہنسانے کے لئے تیرا منتر جپتی ہوں۔

(۶۳)

تو نے مجھے اُن دوستوں سے شناسا کرا دیا جن کو میں کبھی نہ جانتا تھا۔ تو نے مجھے اُن گھروں میں بیٹھنے کی جگہ دی جو میرے نہ تھے تو نے دُور کی چیز کو نزدیک کر دیا اور غیر کو بھائی۔

میرا دل بے چین ہو جاتا ہے جب اپنی پُرانی جگہ (جہاں کا میں عادی ہو گیا تھا) چھوڑنے کو ہوتا ہوں اور میں بھول جاتا ہوں کہ اس نئے مقام میں ایک آشنائے دیرینہ[1] رہتا ہے اور وہاں بھی تو قیام پذیر ہے۔

موت و زندگی میں اس دنیا کے اندر یا کہیں اور جہاں تو میری رہبری کرتا ہے وہ تو ہی ہے، وہی ہے، وہی تنہا ساتھی، میری غیر متناہی زندگی کا جو ہمیشہ میرے قلب کو مسرت کی وابستگیوں سے ایک ناآشنا[2] کے ساتھ مربوط کر دیتا ہے۔

جب ایک شخص تجھے جان لیتا ہے تو اس کے لئے نہ کوئی اجنبی ہے اور نہ کوئی در بند آہ۔ یہ میری دعا قبول کر کہ میں کثرت سے کھیل میں اُس ایک کی مسرت کو نہ کھو بیٹھوں۔

---

[1] جسم ۱۲ [2] ذات باری ۱۲ [3] وہی مسئلہ تناسخ یعنی روح کو جسم سے واسطہ پڑتا ہے ۱۲

(۶۴)

سُنسان دریا کے نشیب پر لانبی لانبی گھانسوں کے درمیان میں نے اُس سے سوال کیا'' اے لڑکی، اپنے دامن سے چراغ کی آڑ کیئے ہوئے تو کہاں جا رہی ہے؟ میرا مکان بالکل تار و تنہا ہے، مجھے اپنی روشنی عاریتًا دیدے''۔ اُس نے اپنی سیاہ آنکھیں ایک لمحہ کے لئے اوپر اُٹھائیں اور میری طرف اُس تاریکی میں دیکھ کر کہا کہ میں ندی۔۔۔ آئی ہوں تاکہ جب مغرب میں روشنی کم ہو جائے تو پانی پر اپنا چراغ تیراؤں''۔ میں اُن لانبی گھانسوں میں اکیلا کھڑا رہا اور اس کے چراغ کے کمزور شعلہ کو طوفان پر بیکار ہچکولے کھاتا ہوا دیکھتا رہا۔

رات کے سناٹے میں نے اُس سے پوچھا کہ'' اے لڑکی تیری روشنیاں تو سب منور ہیں، اب کہاں تو اپنا چراغ لیئے جا رہی ہے؟ میرا مکان تیرہ و تنہا ہے۔ اپنی روشنی مجھے عاریتًا دیدے اُس نے اپنی سیاہ آنکھیں ان کے چہرے کی طرف اُٹھائیں اور ایک لمحہ تک پُر تشک حالت میں کھڑی رہی۔ آخر کار اُس نے جواب دیا کہ'' آسمان کے نام تہدیۂ شمع کے لئے آئی ہوں''۔ میں کھڑا رہا اور اُس کی روشنی کو بیکار خلا میں جلتا ہوا دیکھتا رہا۔

آدھی رات کی تاریکی میں، میں نے اُس سے پوچھا'' اے لڑکی تو کیا ڈھونڈھتی ہے، جو چراغ اپنے سینے کے پاس رکھے ہوئے

جا رہی ہے ؟ میرا مکان تیرہ و تنہا ہے اپنی روشنی مجھے عاریتاً دیدے۔
وہ ایک منٹ کے لئے کھڑی ہوگئی اور سوچتی رہی پھر اندھیرے میں اُس نے میرے چہرے کو دیکھا اور کہا کہ " میں اپنی روشنی لائی ہوں، تاکہ اس ہجوم چراغاں میں شامل ہوسکوں " میں کھڑا دیکھتا رہا کہ اُس کا چھوٹا سا چراغ روشنیوں کے درمیان گُم ہوگیا۔

(٦٥)

میری زندگی کے چھلکنے والے جام سے اے میرے خدا تجھے کیا شربِ اُلوہیت حاصل ہوگا ؟

اے میرے شاعر۔ کیا تیری خوشی اسی میں ہے کہ اپنی آفرینش (کا تماشہ) میری ہی آنکھوں سے دیکھے اور اپنے نغمۂ جاوید کو میرے ہی کانوں کے پردے سے خاموشی کے ساتھ سُنے ؟

تیری دنیا میرے نفس کے اندر الفاظ تراشتی ہے۔ اور تیری مسرت اُن میں اضافۂ موسیقی کر رہی ہے تو فرطِ محبت سے اپنے تئیں میری سُپردگی میں دیدیتا ہے اور پھر آپ ہی اپنی ساری شیرینی کو مجھ میں محسوس کرتا ہے۔

(٦٦)

وہ جو ہمیشہ میرے عمیق وجود میں تابانی و درخشانی کی شفق میں جاگزیں رہی، وہ جس نے صبح کی روشنی میں کبھی اپنا نقاب نہیں ہٹایا۔

اے میرے خدا ! میں اسے اپنے نغمۂ آخریں کی آغوش میں لیکر

تیرے حضور میں آخری ہدیہ کی صورت میں پیش کرونگا۔ الفاظ نے اُسے مالوف کرنے کی غرض سے لُبھانا چاہا لیکن ناکامیاب رہے۔ ترغیب نے اپنی پُرآرزو آغوش اُس کے سامنے پھیلائی لیکن بیکار۔

تیں اپنے نہاں خانۂ دل میں اُس کو لیئے ہوئے ملکوں ملکوں پھرا اور اُسی کے گرد میری زندگی کے عروج و زوال، بلندی و پستی رونما ہوئی۔

میرے تخیلات پر، میرے افعال پر، میرے خواب پر۔ میری نیند پر اُس نے حکومت کی۔ تاہم تنہا اور جُدا رہی۔

بہت لوگوں نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور اُسے مجھ سے مانگا لیکن مایوس واپس گئے۔

دنیا میں کوئی ایسا نہیں جس نے اُسے رُو، در رُو دیکھا ہو اور وہ اپنی تنہائی میں ہمیشہ تیری ہی توجہ کی منتظر رہی۔

(۶۷)

تو (جس طرح) آسمان (میں جلوہ گر) ہے (اسی طرح) تو آشیانہ (میں) بھی ہے۔

اے تو حسین۔ آشیانہ میں تیری محبت ہے جو روح کو رنگینیوں آوازوں اور نکہتوں سے محصور کئے ہوئے ہے۔

صبح سبدِ زریں لئے اور چپکے سے زمین کو تاج پہنانے، داہنے ہاتھ میں حُسن کا ہار لٹکائے ہوئے آتی ہے۔

شام اپنے سبوئے زریں میں امن کے ٹھنڈے قطرے لئے ہوئے سُنسان مرغزاروں پر جنھیں مویشی چھوڑ چکے ہیں، سکون کے مغربی سمندر سے بے نشان راستے طے کرتی ہوئی آتی ہے۔

لیکن وہاں جہاں غیر محدود آسمان پرواز روح کے لئے پھیلا ہوا (نظر آتا) ہے اک سپید بے داغ درخشانی حکمراں[1] ہے، نہ وہاں دن ہے نہ رات، نہ صورت ہے نہ رنگ اور نہ کبھی کوئی لفظ!

(۶۸)

شعاع مہر اس ہماری زمین پر آغوش پھیلائے ہوئے آتی ہے اور دن بھر میرے دروازے پر کھڑی رہتی ہے کہ تیرے قدموں کے پاس اُن بادلوں کو لے جا کر ڈال دے۔ جو میرے آنسوؤں میری ٹھنڈی سانسوں اور میرے نغموں سے بنتے ہیں۔

ایک پُر شوق حالتِ مسرت میں۔ وہی کُہر والے بادل کی چادر بے شمار صورتیں اور تہیں بنا بنا کے اور ہمیشہ بدلنے والے رنگوں سے رنگ کر اپنے تارے ایسے سینے کے گرد لپیٹ لیتا ہے۔

وہ کیسی سُبک، فانی، نازک، پُر اشک اور سیاہ ہے۔ یہی وجہ ہے جو تو بے داغ و سنجیدہ اُس سے ایسی محبت کرتا ہے اور یہی سبب ہے کہ وہ تیری مہیب سپید روشنی کو اپنے دلگداز سایہ سے ڈھک سکتی

---

[1] عالم برزخ یا عالم عقبےٰ ۱۲

ہے۔

۶۹

وہی چشمۂ زندگی جو رات دن میری رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے سارے عالم کے اندر جاری ہے اور تال وسم کے ساتھ رقص کر رہا ہے۔

وہ وہی زندگی ہے جو خاکِ زمین کے اندر سے گھاس کی بیشمار پتیوں کی صورت میں مسرت بن کر پھوٹ نکلتی ہے اور پھولوں پتیوں کی ہنگامہ زا لہروں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

وہ وہی زندگی ہے جو فنا و بقا کے بحری گہوارۂ مد و جزر میں ہلائی جاتی ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے اعضا اس عالمِ حیات کے مس سے شاندار بن گئے ہیں اور میرا غرور عمروں کے ضربات سے میرے خون کے اندر اس وقت رقص کر رہا ہے۔

(۷۰)

کیا تیرے اختیار سے باہر ہے کہ تو اس مسرت شعری سے مسرور ہو؟ اُچھل پڑے۔ کھو جائے اور اُس خوفناک مسرت کے گرداب میں ٹوٹ کر چور چور ہو جائے؟

تمام چیزیں آگے بڑھتی جا رہی ہیں، وہ نہیں ٹھہرتیں وہ پیچھے مڑ کے نہیں دیکھتیں۔ کوئی قوت اُنھیں نہیں روک سکتی وہ بڑھتی جا رہی ہیں۔

اُس تیز و بے چین موسیقی کے ساتھ قدم ملائے ہوئے کتنی

فصلیں رقص کناں آتی ہیں اور گذر جاتی ہیں۔

اُس ہجوم مسرت میں جو ہر لمحہ وسیع ہوتا ہے، اپنے تئیں آزاد چھوڑ دیتا ہے اور پھر فنا ہو جاتا ہے۔ رنگینیاں، راگنیاں اور خوشبوئیں بیشمار آبشاروں کی صورت میں بہنے لگتی ہیں۔

(۷۱)

یہ کہ میں اپنے کو بہت لئے رہوں۔ اور تیری جلوہ پاشیوں پر رنگین سائے[۱] ڈال کر چاروں طرف اُسے منعطف کر دوں، تیری مایا ایسی ہی ہے۔

تو خود اپنے وجود میں ایک حجاب پیدا کر دیتا ہے اور پھر اپنے جُدا شدہ وجود کو مختلف آوازوں میں پُکارتا ہے، اس طرح اپنے آپ سے جُدا ہو کر تو نے مجھ میں جسم اختیار کر لیا ہے۔

تیز و تند نغمہ تمام آسمانوں کے درمیان مختلف الالوان آنسوؤں تبسموں اور امید و بیم کی صورتوں میں صدائے بازگشت پیدا کر رہا کر رہا ہے، لہریں اُٹھتی ہیں اور پھر بیٹھ جاتی ہیں، خواب بنتے ہیں اور بگڑتے ہیں، مجھ میں تیرا اپنے آپ کو شکست دینا پایا جاتا ہے۔

یہ پردہ جو تو نے ڈالا ہے، اس پر بیشمار لیل و نہار کے موئے قلم کی بنائی ہوئی صورتیں منقوش ہیں، اس کے پیچھے تیرا مقام ہے۔

---

[۱] یعنی تیرے جلوہ کا اظہار اپنے افعال سے کروں اور تمام عالم میں اسی پھیلا دوں۔۱۲

ہے جس کی تعمیر حیرت انگیز پیچیدہ رازوں سے ہوئی ہے اور جس کو سادگی کے بے لطف خطوط سے کوئی سروکار نہیں۔

یہ تیرا، میرا تماشا آسمان پر پھیل گیا ہے، تیرے اور میرے وطن سے ساری ہوا میں لرزش پیدا ہے، اور تمام عمریں میرے اور تیرے آنکھ مچولی میں ختم ہوئی جاتی ہیں۔

(۷۴)

وہ ہی نہاں ترین وجود ہے، جو اپنے عمیق پوشیدہ مس سے میری ہستی کو بیدار کر دیتا ہے۔

وہ وہی ہے جو ان کی آنکھوں کو مسحور کر دیتا ہے اور حالت مسرت میں میرے سازِ دل کے تاروں سے لذت والم کے مختلف نغمے پیدا کیا کرتا ہے۔

وہ وہی ہے جو اس مایا کے جال کو سونے چاندی کے سریع الزوال سبز[1] و نیلگوں رنگ سے تیار کرتا ہے اور (پھر) اس کی تہوں کے اندر سے اپنے پاؤں کی جھلک دکھاتا ہے، جس سے چھو جانے کے بعد میں اپنے تئیں بھول جاتا ہوں۔

دن آتے ہیں، عمریں گذر جاتی ہیں اور وہ ہمیشہ وہی ہے جو کتنے ناموں سے۔ کتنے بھیس میں اور مسرت و غم کی کتنی کیفیات میں میرے قلب کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔

---

[1] سونے اور چاندی کے اگر بہت باریک ورق بنائے جائیں تو ان میں روشنی کا نفوذ سبز ہوتا ہے اور اسمیں نیلگوں

(۷۳)

میرے لئے آزادی ترکِ مساعی میں نہیں ہے۔ میں آزادی کو مسرت کی ہزاروں پابندیوں کے ساتھ ہم آغوش دیکھتا ہوں۔

تو ہمیشہ اپنی مختلف الالوان اور مختلف خوشبوؤں والی شراب کے تازہ قطرات میرے لئے ٹپکاتا رہتا ہے (یہاں تک کہ) یہ جام سفالین کناروں تک بھر جاتا ہے۔

میری دنیا اپنی سینکڑوں شمعیں تیرے شعلہ سے روشن کریگی اور انہیں تیرے معبد کی قربان گاہ پر رکھ دیگی۔

نہیں، میں کبھی اپنے درِ حواس بند نہ کرونگا۔ بصارت۔ سماعت اور لمس کی مسرتیں تیری روشنی کو برداشت کرینگی۔

ہاں، میرے تمام توہمات جل کر ضیاءِ مسرت ہو جائیں گے اور اور میری آرزوئیں پختہ ہو کر ثمرِ محبت بنجائینگی۔

(۷۴)

دن اب نہیں ہے۔ سایہ زمین پر اتر آیا ہے۔ وقت ہے کہ میں اپنی گھاگر بھرنے چشمہ پر جاؤں۔

شام کی ہوا پانی کے غمگین راگ سے مست ہے۔ آہ۔ وہ مجھے تاریکی کی طرف بلاتی ہے، اس سنسان گلی میں کوئی گذرنے والا نہیں ہے۔ ہوا زور پر ہے موجیں دریا میں کثرت سے اٹھ رہی ہیں۔

مجھے نہیں معلوم کہ میں گھر لوٹ بھی سکوں گی یا نہیں ؟ کیا خبر مجھے کون راستے میں مل جائے، وہاں پایاب مقام پر ایک چھوٹی سی کشتی میں بیٹھا ہوا کوئی بے جانا[1] بوجھا آدمی بانسری بجا رہا ہے۔

(۷۵)

تیرے انعامات ہم فانیوں کی سب ضرورتیں پوری کرتے ہیں اور پھر بھی بغیر کسی کمی کے تیرے ہی پاس واپس جاتے ہیں۔

دریا کو اپنا روز کا کام کرنا پڑتا ہے، کھیتوں، باغوں میں دوڑنا پڑتا ہے، تاہم اُس کا ہمیشہ جاری رہنے والا چشمہ تیرا پاؤں دھونے کے لیے مُڑ جاتا ہے

پھول اپنی خوشبو سے ہوا کو شیریں بناتا ہے، تاہم اُس کی آخری خدمت اپنے تئیں تیرے سامنے پیش کرنا ہے۔

تیری پرستش دنیا کو غریب نہیں بناتی۔

شاعر کے الفاظ سے لوگ جو چاہتے ہیں معنی اخذ کرتے ہیں، لیکن اُن کے مفہوم آخریں کا اشارہ تیری ہی جانب ہے۔

(۷۶)

اے مالکِ حیات! کیا میں تیرے روبرو یونہی روز بروز کھڑا رہوں ؟ اے تمام عالموں کے مالک، کیا میں تیرے روبرو یونہی ہاتھ

---

[1] ذات باری مراد ہے یا پھر وہ جسم جس سے روح آشنا ہونیوالی ہے۔

جوڑے روز، روز کھڑا رہوں ؟

تیرے اِس عظیم الشان آسمان کے نیچے، تنہائی و سکوت میں ایک عاجز دل لئے ہوئے یونہی روبرو کھڑا رہوں ؟

کیا تیری اس محنتی دنیا میں، جہاں سعی و عمل کا ہنگامہ برپا ہے دوڑنے دھوپنے والی جماعتوں کے درمیان یونہی تیرے سامنے کھڑا رہوں ؟

اور جب میرا کام اِس دنیا میں ختم ہو جائے تو اے شہنشاہ کیا میں یونہی تنہا بے زبان تیرے روبرو کھڑا رہوں ؟

میں تجھے اپنا معبود جانتا ہوں اور الگ کھڑا ہوں، میں یہ نہیں جانتا کہ تو میرا اپنا ہی ہے اور تیرے نزدیک نہیں جاتا، تجھے میں باپ کی طرح جانتا ہوں اور تیرے قدموں میں پڑا ہوں، میں تجھے اپنا دوست سمجھ کر تیرا ہاتھ نہیں تھام لیتا۔

جہاں تو اُتر کر اپنے تئیں میرا ہونا تسلیم کرتا ہے وہاں میں کھڑا نہیں رہتا کہ تجھے اپنے کلیجے سے لگاؤں اور تجھے اپنا ساتھی سمجھوں۔

تو میرے بھائیوں کے درمیان میرا بھائی ہے لیکن میں اُن کی پرواہ نہیں کرتا، میں اپنی کمائی ان میں تقسیم نہیں کرتا، سارا حصہ تیری ہی شرکت میں رکھتا ہوں۔

حالتِ مسرت و غم میں، میں لوگوں کے پاس نہیں کھڑا ہوتا، اور

اس طرح (گویا، تیرے پاس کھڑا رہتا ہوں، میں جان دینے سے
جھجکتا ہوں اور (اس طرح حقیقی) زندگی کے عمق میں غوطہ زن نہیں ہوتا
جب آفرینش نئی نئی تھی اور ستارے اپنی پہلی روشنی میں تھے
رشیوں نے آسمان پر جلسہ کیا اور سب نے مل کر گایا کہ (" واہ ری،
تصویر کمال،' (واہ ری) مسرت غیر ناقص!
لیکن ان میں سے ایک دفعتہً پکار اٹھا " یہ معلوم ہوتا ہے کہ
اس زنجیرِ ضیا میں کہیں شکست ہے اور ان تاروں میں سے
کوئی تارہ کھو گیا ہے "
بربط کا زریں تار اُتر گیا۔ گانا بند ہو گیا اور وہ سب گھبرا کر چلّا اُٹھے
"ہاں، ہاں ضائع شدہ تارہ سب سے اچھا تھا، اور وہی تمام آسمانوں
کی رونق تھا "
اس دن سے اُس تارہ کی تلاش جاری ہے اور ایک شور یہاں
وہاں تک بلند ہے کہ دنیا نے اس تارہ میں اپنی ایک مسرت کھو دی
صرف رات کی گہری خاموشی میں ستارے مسکراتے ہیں
اور باہم سرگوشیاں کرتے ہیں کہ " یہ جستجو بیکار ہے۔ غیر منقطع تکمیل
تو ہر جگہ ہے "

(۷۹)

اگر اس زندگی میں تجھ سے ملنا میرا حصہ نہیں ہے۔ تو (کم از کم) :
یہ تو ہمیشہ محسوس ہی کرنے دے کہ میں تیرے نظارے کو کھو بیٹھا ہوں

مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ نہ بُھلا دینے دے اور خواب و بیداری
کے گھنٹوں میں اِس غم کی تکالیف مجھے اپنے ساتھ لے جانے
دے۔

جب میرے دن دنیا کے اس بھرے بازار میں گذرنے لگیں اور
میرے ہاتھ روزمرّہ کے منافع سے پُر ہوں، مجھے ہمیشہ یہ محسوس
کرنے دے کہ مجھے کچھ نفع نہیں ہوا، مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ، نہ
بُھلا دینے دے اور خواب و بیداری کے گھنٹوں میں اس غم کی تکالیف
مجھے ساتھ لے جانے دے۔

جب میں سڑک پر بیٹھا ہوں، تھک کر ہانپ رہا ہوں، جب میں
اپنا بستر نیچے خاک پر بچھاؤں، مجھے ہمیشہ محسوس کرنے دے کہ طویل
سفر اپنے سامنے ہے، مجھے ایک لمحہ کے بھی یہ نہ بھول جانے دے کہ اور
خواب و بیداری کے گھنٹوں میں اس غم کی تکالیف مجھے ساتھ لے جانے دے

جب میرے کمرے سجے ہوئے ہوں، بانسریاں بج رہی ہوں
قہقہے اڑ رہے ہوں۔ مجھے محسوس کرنے دے کہ میں نے تجھے اپنے
ہاں آنے کا نوید نہیں دیا۔ ایک لمحہ کے لئے بھی مجھے یہ نہ بھول جانے
دے، او خواب و بیداری کے گھنٹوں میں اس غم کی تکالیف مجھے ساتھ
لے جانے دے۔

(۸۰)

میں تو خزاں کے اُس پارۂ ابر کی طرح ہوں جو یونہی آسمان میں

آوارہ پھر رہا ہو۔ اے دائم تاباں آفتاب! تیرے مس نے میرے بخارات کو اس وقت تک اپنی روشنی میں تحلیل نہیں کیا اور اس طرح تجھ سے جدا رہ کر سال و ماہ گنا کرتا ہوں۔

اگر یہی تیری مرضی ہے، اگر یہی تیرا مشغلہ ہے تو اس بادپا بے مائگی کو لے۔ اس میں رنگ بھر، زرکاریاں کر، شوخ ہوا پر اُسے تیرا دے اور نیرنگیوں کی بصورت میں اُسے پھیلا کر رکھ دے اور پھر جب تیری خواہش ہوگی کہ اس تماشے کو رات کے وقت ختم کر دے تو میں پگھل جاؤنگا اور یا تو رات کی تاریکی میں غائب ہو جاؤنگا یا پھر نورانی صبح تبسم، شفاف پاکیزگی کی خنکی میں

(۸۱)

بہت بیکار دن گذر گئے کہ میں اپنے ضائع وقت پر رنج کر رہا ہوں لیکن اے میرے آقا وہ کبھی ضائع نہیں ہوا۔ تو نے میری زندگی کے ہر لمحہ کو اپنے ہی اختیار میں رکھا ہے۔ اشیاء کے بطون میں چھپ کر تو تخم میں ریشے پیدا کر دیتا ہے، کلیوں کو پھول اور پھول کو پھل بنا دیتا ہے۔

میں تھکا ہوا تھا اور اپنے مضمحل بستر پر مصروفِ خواب میں خیال کر رہا تھا کہ سب کام ختم ہو گئے ہیں۔ صبح کو میں جاگا اور اپنے باغ کو پھولوں کے نیرنجات سے معمور پایا۔

(۸۲)

تیرے پاس اے مولیٰ! غیر متناہی وقت ہے کوئی تیرے لمحات کا شمار کرنے والا نہیں رات دن گذرے جاتے ہیں، عمریں پھولوں کی کھلتی ہیں اور مرجھا جاتی ہیں۔

تو جانتا ہے، انتظار کیونکر کیا جاتا ہے۔
تیری صدیاں تو بر تو۔ ایک چھوٹے سے جنگلی پھول کو تکمیل تک پہنچاتی ہوئی گذر جاتی ہیں۔

ہمارے پاس وقت نہیں کہ ضائع کریں اور جب ہمارے پاس وقت نہیں تو ہمیں موقع ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے ہم اس درجہ غریب ہیں کہ تاخیر لازم نہیں۔
اور چونکہ میں اُسے ہر جھگڑنے والیکو دیدیتا ہوں جو اُسکا مدعی ہوتا ہے اسلئے وقت گذرتا جاتا ہے اور تیری قربانگاہ اخیر تک ہدایا سے خالی ہے۔
دن کے اختتام پر میں عجلت کرتا ہوں کہ کہیں دروازہ بند نہ ہو جائے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ہنوز وقت ہے۔
اے ماں (یعنی وطن) میں تیری گردن کیلئے اپنے اشک غم سے موتیوں کا مالا تیار کرونگا۔
ستاروں نے جو روشنی کی پازیب بنائی ہے وہ تیرے پاؤں کیلئے ہے لیکن میرا زیور تو تیرے سینے پر رہیگا۔
دولت اور شہرت تجھی سے حاصل ہوتی ہیں اور اس لئے تیرے ہی لئے انکا لینا دینا ہے، لیکن یہ میرا غم بالکل میرا اپنا ہے اور جب میں اُسے بطور نذر تیرے سامنے پیش کرتا ہوں، تو، تو مجھے اپنا فضل انعام کرتی ہے۔

(۸۴)

یہ درد فراق ہی ہے جو تمام عالم میں بسیط ہے اور جس سے بےشمار شکلیں غیر محدود آسمان میں پیدا ہوتی ہیں۔
یہی غم جدائی ہے جو تمام رات ایک تارہ سے دوسرے تارے تک خاموشی سے نکا کرتا ہے اور جولائی کی باران تاریکی سرسرانے والی پتیوں کے درمیان نظم

ہو کر رہ جاتا ہے۔

یہی پھیلا ہوا درد ہے جو عمیق ہو کر محبتوں اور آرزوؤں میں تبدیل ہو جاتا ہے انسانی مساکن میں تکلیف و مسرت بنجاتا ہے اور یہی ہے جو میرے شاعر کے دل سے نکلکر گداز لحن و رقتِ نغمہ ہو جاتا ہے۔

(۸۵)

جب محاربینِ حیات، اوّل اوّل اپنے آقا کے مکان سے آئے تو انھوں نے اپنی قوت کہاں چھپا رکھی تھی؟ انکی زرہ کہاں تھی، اُنکے ہتھیار کہاں تھے؟

وہ غریب و بے یار نظر آتے تھے جس دن وہ اپنے آقا کے مکان سے باہر آئے تو اُن پر تیر برسائے گئے۔

جب وہ اپنے آقا کے مکان پر واپس گئے تو انھوں نے اپنی قوت کہاں چھپا دی؟

اُنھوں نے تلواریں ڈالدیں، تیر و کمان پھینک دیئے، صلح اُن کی پیشانی پر جھلک رہی تھی، وہ اپنے ثمرہائے حیات پیچھے چھوڑ گئے، جس دن وہ اپنے مالک کے مکان پر واپس گئے۔

(۸۶)

موت تیری کنیز میرے دروازے پر ہے وہ ایک بحرِ غیر معلوم کو عبور کر کے... میرے گھر تیرا پیام طلب لائی ہے۔

رات تاریک ہے اور میرا قلب خوف سے پُر۔ تاہم میں چراغ لیکر دروازہ کھولونگی اور اظہارِ عجز کے ساتھ اسکا خیر مقدم کرونگی کیونکہ وہ تیرا پیامبر ہے جو دروازہ پر کھڑا ہے۔

میں ہاتھ جوڑ کے اپنے آنسوؤں سے اُسکی پرستش کرونگی، میں اُس کے

قدموں پر اپنے دل کا خزانہ رکھ کے پرستش کر دیتی
وہ میری صبح پر ایک تاریک سایہ ڈالکر۔ اپنا کام کر کے چلی جائیگی اور میرے
سنسان مکان میں صرف میرا وجود متروک تیرے ہدیہ آخرین کیصورت میں بچا رہیگا

(۸۷)

اِک مایوس آرزو لئے ہوئے جاتا ہوں اور مکان کے ہر ہر کونہ میں اُسے
ڈھونڈتا ہوں، مگر اُسے نہیں پاتا۔
میرا گھر چھوٹا ہے اور جو چیز اُس سے ایکبار نکلجاتی ہے پھر کبھی واپس
نہیں آتی۔
لیکن تیرا محل، اے آقا غیر محدود ہے اُسکی تلاش میں اب تیری در دازے
آیا ہوں۔
تیرے شام کے زرّیں شامیانۂ فلک کے نیچے کھڑا ہوں اور اپنی
آرزومند نگاہیں تیری طرف اُٹھاتا ہوں۔
میں ساحلِ دوام پر آگیا ہوں، جہاں کوئی چیز فنا نہیں ہوتی، نہ کوئی
اُمید، نہ مسرت اور نہ اُس چہرے کا تصور جو ایسا دُھندلا نظر آتا ہے جیسے
پُرنم نگاہ سے کوئی چیز دیکھی جائے۔
آہ! میرے دہتی، ظرفِ حیات کو اس سمندر میں ڈبو دے اُسے
عمیق ترین معموری میں غرق کردے، اُس گمشدہ شیریں مس کو دنیا کی
ہمگینی آخری مرتبہ اور مجھے محسوس کرنے دے۔

(۸۸)

اے تباہ شدہ معبد کی دیوی۔ دنیا کے شکستہ تار اب اب تیری تعریف
نہیں کرتے۔ شام کے گھنٹے اب تیرے وقتِ پرستش کا اعلان نہیں کرتے۔

تیرے چاروں طرف کی فضا پُرسکون و خاموش ہے۔
تیرے سُنسان مکان میں نسیم آوارہ منش آتی ہے، وہ پھولوں کی خبریں تیرے پاس لاتی ہے، وہ پھول جو تیری پرستش میں اب تیرے حضور میں پیش نہیں کیئے جاتے۔

تیرا پرستارِ دیرینہ اس لطف کی تمنائے دایم دل میں لیئے، جس لطف سے اب بھی انکار کیا جاتا ہے، پڑا پھر رہا ہے، شام کو جب روشنیاں اور سایئے تاریکیٔ شب میں مل جاتے ہیں، وہ تھکا ہوا تباہ شدہ معبد پر اپنے قلب میں ایک گرسنگی لیئے ہوئے آتا ہے۔

بہت سے تیوہار۔ اے تباہ شدہ معبد کی دیوی تیرے پاس آتے ہیں اور بہت سی پوجا کی راتیں گذر جاتی ہیں، بغیر اسکے چراغ روشن کئی جایئں،
ماہرینِ فنونِ لطیفہ بہت سی نئی مورتیں، جب اُنکی ضرورت ہوتی ہے بنا لیتے ہیں اور فراموش کاری کے پاک چشمہ پر انھیں لیجاتے ہیں۔
صرف تباہ شدہ معبد کی دیوی ایک غیر فانی تغافل میں پڑی ہے اور اسکی پرستش کوئی نہیں کرتا۔

(۸۹)

اب میرے الفاظ میں وہ شور و ہنگامہ کہاں؟ مالک کی مرضی یہی ہے۔ اب میری گفتگو زیرِ لب ہوا کریگی اور میرے قلب کا تکلم ترنم میں تبدیل ہو جائیگا۔
لوگ شاہی بازار کیطرف دوڑتے ہیں، سب خرید و فروخت کرنیوالے وہاں ہیں، لیکن مجھے ناوقت اجازت عین ہجوم کار میں دوپہر کو ملی ہے۔
پھولوں کو میرے باغ میں کھلنے دو، اگرچہ وقت نہیں ہے، اور شہد کی مکھیوں کو اپنا سُست راگ دوپہر کے وقت چھیڑنے دو۔

اس خیر و شر کے جھگڑے میں، میں نے اپنے بہت سے گھنٹے ضائع کردیئے لیکن میرے ایام سادہ کے ساتھی کی خوشی ہے کہ میرے دل کو اپنی طرف کھینچ لے، مجھے نہیں معلوم کہ دفعتہً یہ پیام طلب کیوں ہے اور کیسا بیکار دے نیتجہ

(۹۰)

اُس دن جب موت تیرا دروازہ کھٹکھٹائیگی، تو اسکے سامنے کیا پیش کریگا؟

آہ! میں اپنے مہمان کیسامنے اپنی زندگی کا لبریز جام پیش کرونگا۔ میں اسے خالی ہاتھ کبھی نہ جانے دونگا۔

اپنے تمام ایام خزاں، و شبہائے گرما کی شیریں بیداوار اپنی مشغول زندگی کا تمام سرمایہ و ما حصل اپنے ایام حیات کے اختتام پر اس کے سامنے پیش کرونگا، جب فنا میرا دروازہ کھٹکھٹائیگی۔

(۹۱)

موت! اے زندگی کی وفائے آخریں، آ، اور مجھ سے سرگوشی کر،

دن پر دن گذرتے جاتے ہیں کہ میں تیرے انتظار میں بیٹھی ہوں، تیری ہی وجہ سے میں نے زندگی کی مصیبتیں اور مسرتیں برداشت کیں۔

جو کچھ میں ہوں، جو کچھ میرے پاس ہے، جو کچھ میری آرزو ہے یہانتک کہ میرا عشق بھی عمیق راز میں تیری ہی طرف ان سب کا میلان تھا، تیری آنکھوں کی ایک فیصلہ کن نگاہ اور میری زندگی ہمیشہ کیلئے تیری ہو جائیگی۔

پھول گوندھ لئے گئے ہیں، ہار دولھا کیلئے تیار ہے شادی کے بعد دلہن اپنا گھر چھوڑ دیگی اور اپنے مالک سے تنہا رات کے سناٹے میں ملیگی۔

---

لہ ذات باری ۱۲

(۹۲)

میں جانتا ہوں وہ دن آئیگا جب اِس دنیا کا نظارہ میرے لئے ختم ہوجائیگا اور زندگی میری آنکھوں پر آخری پردہ ڈالکر چُپ کے سے رُخصت ہو جائیگی۔ لیکن ستارے بدستور رات کے وقت تکا کریں گے۔

صبح اُسی طرح طلوع ہوا کریگی اور گھنٹے امواجِ بحر کی طرح مسرت و غم کا شمار کرتے ہوئے موجزن ہوا کرینگے۔

جب میں اپنے لمحات کے اس انجام کا خیال کرتا ہوں، تو اِن لمحات کا حجاب ٹوٹ جاتا ہے اور میں موت کی روشنی میں تیری دنیا اور اسکے لاپرواہ خزانوں کو دیکھنے لگتا ہوں، اُس کی حقیر ترین جگہ بھی بے نظیر اور اُسکی ذلیل ترین زندگی بھی بے بہا ہے۔

وہ چیزیں جنکی بیکار آرزو میں نے کی، وہ چیزیں جو مجھے ملیں اُن سب کو جانے دو مجھے صرف اُن چیزوں پر حقیقی قبضہ پا جانے دو، جنکو میں نے ہمیشہ ٹھکرایا اور نظر انداز کیا۔

(۹۳)

مجھے رخصت مل گئی ہے۔ اے بھائیو! مجھے خیرباد کہو، میں تم سب کے سامنے جھکتا ہوں اور روانہ ہوتا ہوں۔

دیہ لو، اپنے دروازے کی کنجیاں دیتا ہوں اور اپنے مکان کے سارے دعوؤں سے دست بردار ہوتا ہوں، اب تو میں تم سے صرف مہربانی آخری الفاظ سُننا چاہتا ہوں۔

ہم تم باہم عرصہ تک ہمسایہ رہے لیکن مجھے ہمیشہ اُس سے زیادہ ملا جتنا میں نے دیا، اب دن نکل آیا ہے اور چراغ جو میرے تاریک

گوشے کو مستور رکھتا تھا گُل ہو گیا ہی۔ پیامِ طلب آ گیا ہے اور اب میں سفر کے لیئے آمادہ ہوں۔

(۹۴)

اے میرے دوستو! اب جُدائی کے وقت میرے شادکام ہونیکی دعا کرو! آسمان طلوعِ صبح سے رنگین ہے اور میرا رہگذر خوبصورت!

یہ نہ پوچھو کہ میرے پاس وہاں لیجانے کو کیا ہے۔ میں اپنے سفر میں خالی ہاتھ مگر پُر امید قلب لیکر جاتا ہوں۔

میں اپنی شادی کا ہار پہن لونگا! میرا لباس کسی مسافر کی طرح گیروا تو ہے نہیں اور ہر چند راستہ پُر خطر ہے مگر میرا دل بیخوف ہے، جب میرا سفر ختم ہو گا، شام کا تارا نکل آئیگا اور شفقی راگنیوں کا دلگداز ترنم بادشاہ کے راہِ آستانہ سے شروع ہو جائیگا۔

(۹۵)

میں اُس لمحہ سے آگاہ نہ تھا جب اوّل، اوّل میں اس زندگی کے دروازہ سے گذرا۔

وہ قوت کیا تھی جس نے مجھے اس وسیع رازگاہ میں اسطرح کھِلا جیسے آدھی رات کو جنگل میں کوئی کلی کھِلے۔

صبح کو جب میں نے روشنی پر نظر ڈالی۔ میں نے فوراً محسوس کیا کہ میں اس دنیا میں اجنبی نہیں ہوں

اور یہ کہ بلا صورت و نام کی ایک ناقابلِ الفہم شے نے خود میری ماں

---

سلہ یہ رسم پذیرائی (ذاتِ باری کیطرف سے عمل میں آئیگی)

کیصورت میں، مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔

اِسی طرح موت کی حالت میں بھی غیر معلوم شے اسی طرح نمودار ہوگی جسطرح میں نے اُسے جانا ہے اور چونکہ میں اس زندگی سے اُلفت کرتا ہوں، اسلئے میں جانتا ہوں کہ اسیطرح موت سے بھی الفت کرونگا۔

جب ماں اپنی داہنی چھاتی سے بچہ کو جدا کردیتی ہے تو چیخنے لگتا ہے لیکن فوراً ہی بائیں چھاتی میں اپنی تسکین پاتا ہے۔

(۹۶)

جب میں یہاں سے جانے لگوں، تو (خدا کرے) میری آخری الفاظ یہ ہوں کہ جو کچھ میں نے دیکھا، لاجواب تھا۔

بحرِ ضیا پر پھیلے ہوئے اس کنول کی پنہاں شیرینی کو میں چکھ چکا ہوں اور اس لئے مسرور ہوں، یہ میرے الفاظ جدائی ہوں۔

بیشمار صورتوں کی اس بازی گاہ میں، میں کھیلا ہوں اور یہیں میں نے (اُس ذات) کیصورت دیکھی ہے جس کی کوئی صورت نہیں ہے۔

میرے تمام جسم، میرے تمام اعضا میں اُسکے چھو جانے سے ایک ... لرزش سی پیدا ہوگئی ہے (حالانکہ) وہ خود ناقابلِ لمس ہے اور اب اگر خاتمہ (کا وقت) آتا ہے تو آنے دو، یہ میرے الفاظ جدائی ہوں۔

(۹۷)

جب میں تیرے ساتھ کھیلا کرتی تھی، میں نے کبھی یہ نہیں پوچھا تو کون ہے، نہ میں نے شرم جانی اور نہ کوئی خوف، میری زندگی پُرشور تھی۔

صبح کو تو میرے ہی ساتھی کیطرح مجھے نیند سے پکارتا اور راستوں راستوں دوڑا لئے پھرتا۔

اُن دنوں میں نے اُن گیتوں کا مطلب سمجھنے کی۔ جو تو میرے سامنے گایا کرتا۔ کبھی پرواہ نہیں کی۔ میری آواز تو صرف تیرے سُروں کو لیتی اور میرا قلب اُنکے ساتھ رقص کیا کرتا۔

اب جبکہ کھیل کود کا زمانہ ختم ہو گیا ہے، یہ کیا منظر ہے جو اچانک مجھ پر ظاہر ہو گیا؟ دنیا مع اپنے خاموش ستاروں کے، ایک حالت خوف و ہراس میں اپنی آنکھیں تیرے قدموں کیطرف جُھکائے کھڑی ہے۔

(۹۸)

میں تجھے اپنے اُن ہاروں اور اُن نشانات فتح سے آراستہ کرونگا جو میری شکست سے حاصل ہونگے، یہ میرے اختیار میں نہیں ہے کہ بغیر مفتوح ہوئے رہ جاؤں۔

مجھے یقین ہے کہ میرا غرور مٹ جائیگا۔ میری زندگی کی مجبوریاں نہایت درد ہو کر رہ جائینگی (میرا) خالی دل ایک کھوکھلی بانسری کیطرح نغمہ کی سسکیاں بھرنے لگیگا اور پھر آنسو ہو کر بہہ جائیگا۔

مجھے یقین ہے کہ کنول کی سینکڑوں پنکھڑیاں ہمیشہ بند نہ رہینگی اور اِسکی شیرینی کا خزانہ مخفی کُھل کر رہیگا۔

نیلے آسمان سے دیکھنے والا مجھے دیکھیگا اور چُپکے سے مجھے بُلا لیگا میرے لئے کچھ نہ رہ جائیگا۔ کچھ بھی نہیں، اور ایک کھلی ہوئی موت تیرے قدموں میں مجھے مل رہیگی۔

(۹۹)

جب میں پتوار (ہاتھ سے) چھوڑتا ہوں، تو جانتا ہوں، وقت آگیا ہے کہ تو اسے سنبھالے، جو کچھ کرنا ہے فوراً کرلیا جائیگا، یہ جد وجہد بیکار ہے۔

بھرے دل دسی سے، ہاتھ اُٹھا لے اور اپنی شکست کو خاموشی سے برداشت کر اور جہاں تجھے جگہ ملی ہے وہیں پورے سکون کیسا تھ رہنا اپنی خوش قسمتی سمجھ،

یہ میرے چراغ ہوا کی ذرا سی پھونک سے بجھ جاتے ہیں اور اُنکے روشن کرنیکی کوشش میں، اور سب کچھ بھول جاتا ہوں۔

لیکن اس دفعہ میں ہوشیار رہونگا، اپنی چٹائی زمین پر بچھا دونگا، اور یونہی اندھیرے میں انتظار کیا کرونگا۔

اے آقا! جب تیری مرضی ہو چکیے سے آ! اور یہاں چٹائی پر بیٹھ جا۔

(۱۰۰)

میں نمودِ صور کے عمیق بحر میں اُس امید پر غوطہ زن ہوتا ہوں کہ وہ غیر مشکل موتی مجھے ملجائے۔

اب اس فرسودہ موسم کشتی میں میرا ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک سفر موقوف ہے۔ وہ دن جب میرا کھیل ہی یہ تھا کہ لہروں پر چھینٹا چھینکا پھیروں، عرصہ ہوا گذر گئے۔

آب میری آرزو ہے کہ کسی غیر فانی میں فنا ہو جاؤں۔

ناقابل پیمائش غار کے پاس والے سماع خانہ میں جہاں نا آشنائے[1] لحن تاروں کی موسیقی بلند ہوتی ہے۔ میں اپنے اس بربط زندگی کو لیجاؤنگا اور اسے اس لحن غیر فانی کے ساتھ ملاؤنگا اور جب وہ اپنی آخری نغمہ کی سسکی ختم کرچکیگا تو میں اپنا خاموش ساز اُس خاموشی کے قدموں پر ڈال دونگا۔

---

[1] عالم فنا ۱۲

(۱۰۱)

میں نے زندگی بھر تیرے پالینے کی کوشش اپنے نغموں ہی سے کی۔ یہی نغمے تھے جنہوں نے مجھے دربدر پھرایا اور یہی وہ نغمے تھے جن کی مدد سے میں نے اپنی دنیا کی تلاش واحساس میں تجھی کو اپنے چاروں طرف پایا جو کچھ میں نے کبھی سیکھا، وہ یہی نغمے تھے جنھوں نے مجھے اس کا درس دیا انھوں نے مخفی راہیں دکھائیں، انھوں نے افقِ دل پر بہت... سے تارے پیشِ نظر کر دیئے۔

وہ دن بھر تو معمورۂ مسرت وغم کے رازوں کیطرف رہنمائی کرتے رہے اور شام کو اختتامِ سفر پر یہ کس آستانۂ محل پر مجھے لے آئے۔

(۱۰۲)

میں لوگوں میں فخر کیا کرتا تھا کہ میں نے تجھے جان لیا ہے میری تصانیف میں لوگوں کو تیری ہی تصویریں نظر آتی ہیں وہ آتے ہیں اور مجھ سے پوچھتے ہیں "وہ کون ہے"؟ مجھے نہیں معلوم انھیں کیا جواب دوں؟

میں کہتا ہوں کہ "فی الحقیقت میں کچھ نہیں کہہ سکتا" وہ مجھ پر الزام رکھتے اور نفرت کے ساتھ چلے جاتے ہیں، اور تو وہیں بیٹھا مسکرا رہا ہے۔

میں تیرے فسانے اپنے غیر فانی نغموں میں سناکرتا ہوں رازِ دل (بے اختیار) عیاں ہو جاتا ہے، وہ آتے ہیں اور مجھ سے پوچھتے ہیں

"بتا ان سے تیرا مطلب کیا ہے"۔۔۔؟

میں نہیں جانتا انہیں کیا جواب دوں، میں کہتا ہوں "آہ کون جانتا ہے ان کا کیا مطلب ہے۔

وہ مسکراتے ہیں اور نمایاں نفرت کے ساتھ چلے جاتے ہیں اور تو وہیں بیٹھا ہوا تبسم ہے۔

(۱۰۳)

اے خدا! تجھ سے یہی دعا ہے کہ میرے تمام حواس صرف ایک ادائے عجز کے ساتھ تیرے حضور میں وسیع ہو کر رہ جائیں، اور تیرے ہی قدموں کے پاس اس دنیا کا احساس کریں۔

جولائی کے بادل کی طرح جو مینہ کے بوجھ سے لدا کھڑا ہے۔

میرے سارے وجود کو اپنے آستانہ پر ایک ادائے تسلیم کے ساتھ جھکا رہنے دے۔

میرے تمام گیتوں کے مختلف لحن ایک موج نغمہ میں سمٹ جائیں اور تیرے حضور میں ایک اظہار عجز کے ساتھ بحرِ خموشی میں جا ملیں۔

بیمارِ وطن سارسوں کی طرح جو رات دن اپنے آشیانۂ کوہ کی طرف واپس اڑے چلے جاتے ہیں۔

میری ساری زندگی تیرے حضور میں ایک اظہارِ

شوق کے ساتھ اپنے دایم البقا وطن کی طرف سفر
اختیار کرے۔

نیاز فتحپوری

(محبوب المطابع برقی پریس دہلی)

# عکسی

# دیوانِ غالب

مرزا غالب کے اصلی قلمی دیوان کے مطابق ہر
شعر بلکہ ہر حرف، حتیٰ کہ زیر، زَبر تک صحیح لکھوا کر
اس کا عکس لے کر بذریعہ بلاک عمدہ کاغذ پر
"طاہر ایڈیشن" کے نام سے چھپوایا گیا ہے، اس
سے بہتر اور درست آپ کو، کوئی نسخہ نہ ملے گا۔
باوجود ان خوبیوں کے قیمت صرف